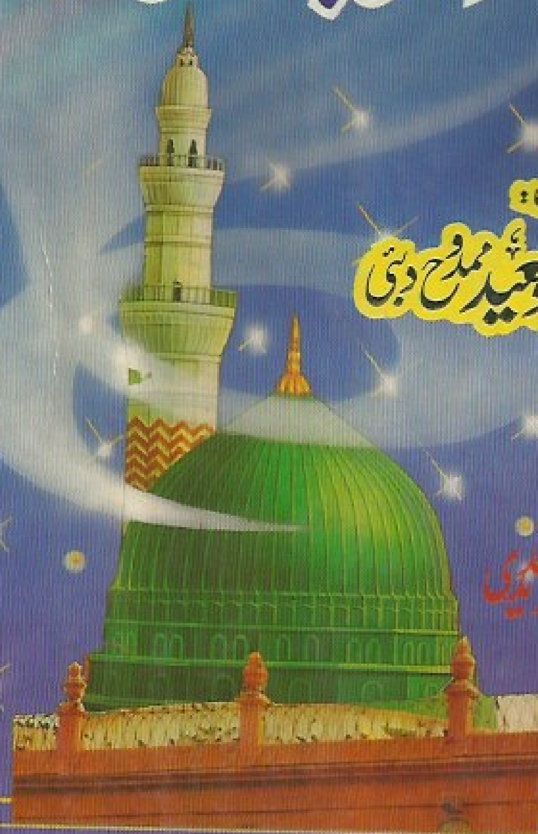
اصلِ مرادِ حاضری اس پاک در کی ہے



تصنیف
فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح دبی

ترجمہ
علامہ ممتاز احمد سدیدی

مرکزِ تحقیقاتِ اسلامیہ

205 شادمان، لاہور فون: 7580004



نام کتاب .... الاعلام باستحباب شد الرحل لزیارۃ خیر الانام

مصنّف .... فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح

ترجمہ بعنوان.................. اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

مترجم .... علامہ ممتاز احمد سدیدی

پیش لفظ.................. مفتی محمد خاں قادری

بار .... اوّل

تعداد .... ایکہزار

اشاعت .... مئی ۱۹۹۵ء

خوشنویس .... سیّد قمر الحسن ضیغم قادری

مطبع .... الحمد الرشید پرنٹرز، لاہور

طابع .... سہیل لطیف

قیمت .... روپے

فہرست

پیش لفظ

مفتی محمد خاں قادری

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

(النساء)

اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئیں پھر وہ اللہ سے معافی مانگیں اور رسول ان کے لیے سفارش کرے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ زیارتِ نبوی ہر شخص کے لیے فضیلت کا درجہ رکھتی ہے خواہ وہ قریب کا رہنے والا ہو یا دور کا۔

اور یہ حکم صرف آپ کی ظاہری حیات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ بعد از وصال بھی قائم و دائم ہے۔ تمام امتِ مسلمہ نے اس سے یہی سمجھا اور اسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہمیشہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دیتی رہی۔ صحابہ سے لے کر آج تک ہر دور کے لاکھوں اہلِ علم و تقویٰ کا یہ معمول ہے لیکن بعض بدقسمت لوگ اس عمل کو پسند نہیں کرتے۔ کبھی کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت صرف آپ کی ظاہری حیات کے ساتھ مخصوص۔ کبھی حدیث لاتشد الرحال سے استدلال کرتے

ہوتے کہتے ہیں کہ آپ کی بارگاہِ اقدس کے قصد سے نعوذ باللہ سفر نہیں کرنا چاہیئے۔ اس دور میں یہی باتیں شیخ محمد بن صالح العثیمین اور شیخ صالح الفوزان نے تحریر کیں۔ جس کے رد کے لیے ہمارے دور کے عظیم محدث فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح نے " الاعلام باستحباب شد الرحال لزیارۃ خیر الانام " تحریر فرمایا جس میں مذکورہ شیوخ کی ایک ایک بات کا متعدد علمی و ثقہ دلائل سے رد فرمایا:

اسی موضوع پر آپ کی ایک کتاب " رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ " بھی ہے جس کا ذکر اس کتابچہ میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔

اس رسالہ اور مصنف کے بارے میں فضیلۃ الشیخ عیسٰی بن عبد اللہ بن مانع الحمیری (مدیر عام دائرۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ دبئی) تقدیم میں لکھتے ہیں:

وھذہ رسالہ جلیلۃ	یہ محدث فاضل محمود سعید ممدوح
للمحدث الفاضل محمود	کا عظیم رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں
سعید ممدوح جزاہ	اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے
اللہ من الاسلام والمسلمین	جزائے خیر دے کیونکہ انہوں نے
خیر الجزاء بما ینافح	اس سے سنّتِ مطہرہ کا دفاع کیا
من السنۃ المطھرۃ اسماھا	ہے اس کا نام انہوں نے (الاعلام
(الاعلام باستحباب شد	باستحباب شد الرحال لزیارۃ خیر الانام
الرحال لزیارۃ خیر الانام	علیہ افضل الصلاۃ والسلام) رکھا ہے
علیہ افضل الصلاۃ والسلام)	اس میں انہوں نے اس موضوع پر
جمع فیھا خلاصۃ ما قیل	دلائل کا خلاصہ بیان کر دیا ہے تاکہ

فی ھذا المقام وادلی بدلوہ	اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا
لیرضی حبیبہ رسول اللہ	نصیب ہو۔ مومنوں کے دل سے
صلی اللہ علیہ وسلم و	اس شفا پائیں اور منکرین اور مکابرین
یشفی بھا قلوب قوم مومنین	کے دل حجتِ قاہرہ اور براہینِ ساطعہ
ویھدی بھا قلوب المنکرین	سے ہدایت پائیں۔
والمکابرین بالحجۃ الدامغۃ	
والبراھین الساطعۃ۔ (تقدیم للاعلام)	

شیخ ناصر الدین البانی نے حدیث پر جو کام کیا اس میں جابجا تضادات کی نشاندہی مختلف اہلِ علم نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں شیخ حسن بن علی السقاف کا کام۔ " تناقضات الالبانی الواضحات فیما وقع لہ فی تصحیح الاحادیث و تضعیفھا من اخطا و غلطات " قابلِ ذکر ہے وہاں شیخ محمود سعید ممدوح کا کام بصورت " تنبیہ المسلم الی تعدی الالبانی علی صحیح مسلم " نہایت ہی قابلِ داد و تحسین ہے۔

مقدمہ میں اس کتاب کی غرض و غایت یوں تحریر کرتے ہیں:

فقد وقفت علی کلام الشیخ	میں شیخ البانی کے ایسے کلام پر آگاہ
الالبانی ضعف فیہ جملۃ	ہوا جس میں انہوں نے صحیح مسلم کی
من الاحادیث التی فی (صحیح	متعدد احادیث کو ضعیف قرار دیتے
مسلم) فتکلم علیھا بما یؤکد	ہوئے ایسی گفتگو کی جس سے امام مسلم کا
خطاہ ویثبت خروجہ	کا خاطی ہونا اور ان اصولوں سے
علی ما قررہ العلماء من صحتھا	نکلنا لازم آتا ہے جو علماء کے ہاں
وتلقیھا القبول المفید	مسلّم اور مقبول ہیں۔ ان کا کلام

للعلم وكلامه يدعو الى التشكيك فى صحيح الامام مسلم وفيه من الاعراب والمخالفة والتعقيب على المتقدمين ما يوهم المغترين به انه استدرك على الائمة المتقدمين كالبخارى ومسلم فضلاً من المتاخرين ——

وقد رأيت ان السكوت على هذا التعدى غير مقبول ويلحق العارف به الاثم لذلك كتبت هذه (التنبيه) ادفع به بعون الله تعالى كل تعديه على صحيح مسلم وقد سميته تنبيه المسلم الى تعدى الالبانى على صحيح مسلم۔

(تنبيه المسلم ۷-۸)

صحیح امام مسلم کے بارے میں تشکیک کی دعوت دیتا ہے اور اس میں ایسی مخالفت اعراب اور متقدمین پر تعقیب ہے جو دھوکہ دینے والوں کو موقعہ فراہم کر رہی ہے کہ انہوں نے بخاری و مسلم جیسے متقدمین کی کمی کا ازالہ کیا ہے۔ متاخرین تو کسی کھاتے میں نہیں ——

تو میں نے محسوس کیا کہ اس زیادتی پر خاموش رہنا جائز نہیں۔ اس سے آگاہ ہونے کے باوجود رد نہ کرنا گناہ کا ذریعہ ہے لہٰذا میں نے اللہ کی توفیق سے البانی کی زیادتیوں پر لکھا ہے اور اس کا نام "تنبیہ المسلم علی تعدی الالبانی علی صحیح مسلم" رکھا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیخ موصوف کی علم حدیث اور اصولِ حدیث پر کتنی نظر ہے؟

دار البصائر دمشق سے عظیم محدث السید احمد بن محمد بن الصدیق الغماری المتوفی ۱۳۸۰ کی تالیف "تبیین البلہ ممن انکر وجود حدیث ومن لغا فلا جمعة له" ۱۴۰۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کی ابتداء میں مصنف کے حالات شیخ محمود سعید ممدوح نے تحریر کئے ہیں۔ آخری حاشیہ میں فرماتے ہیں:

اختصرت هذه الترجمة من "تشنيف الاسماع الرواية والسماع" ذكرت فيه ترجمة مائتى شيخ من مشائخ شيخنا العلامه سند العصر محمد ياسين الفادانى المكى۔ (تبيين البله ۱۲)

میں نے یہ حالات تشنیف الاسماع الروایۃ والسماع سے اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں جس میں میں نے اپنے استاذ علامہ سند العصر محمد یاسین الفادانی المکی کے دو سو اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔

"الاعلام" کا اردو ترجمہ

فضیلۃ الشیخ السید یوسف ہاشم الرفاعی زید مجدہ سابق وزیر اوقاف کویت جون ۹۴ء میں پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے الاعلام کا ایک نسخہ مخدوم و محسنِ اہلسنت حضرت العلام مولانا عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ کو دیا۔ آپ نے مطالعہ کے بعد اسے نہایت ہی پسند فرمایا اور اپنے ہونہار صاحبزادے فاضل نوجوان جناب ممتاز احمد سدیدی سے فرمایا کہ اس کا اردو ترجمہ کریں تاکہ یہاں کے مسلمان بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ الحمد للہ سدیدی صاحب جدید و قدیم عربی کے ماہر ہیں۔ وہ عربی کو اردو کے قالب میں ڈھالنا ہی نہیں بلکہ اردو

کو عربی میں منتقل کرنا بھی جانتے ہیں اور یہ صلاحیت کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے عظیم والد گرامی مدظلہ کی طرح اپنے سینے میں امتِ مسلمہ کا درد بھی رکھتے ہیں اور اس کے لیے عملاً کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔ اس ترجمہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس پر نظرِ ثانی قبلہ شرف صاحب مدفیوضہ، نے خود فرمائی ہے۔

ہم اردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل عربی متن بھی شائع کر رہے ہیں تاکہ عربی داں قارئین اصل کتاب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کا نام امام اہلِ محبت مولانا احمد رضا خاں قادری کے اس مشہور شعر سے لیا گیا ہے۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے

اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے ہم سب کو دنیا و آخرت میں اپنے فضل و کرم کا سایہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادمِ اسلام

محمد خان قادری

جامع رحمانیہ، شادمان۔ لاہور

٢ ذوالحجہ ١٤١٥ھ / یکم مئی ١٩٩٥ء بروز پیر بعد نماز عشاء

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ

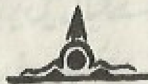
فَطَابَ مِنْ طِیْبِہِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ

فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

- اے زمین میں مدفون ہونے والوں میں سب سے بہتر شخصیت!
- آپ کی خوشبو سے میدان اور فضائیں معطر ہو گئیں۔
- میری جان اس روضۂ اقدس پر قربان، جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) محوِ آرام ہیں۔
- اس روضہ شریف میں پاکیزگی اور سراپا سخاوت و بخشش ہے۔

(امام عتبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم!

(فضیلۃ الشیخ عیسیٰ بن عبداللہ بن مانع الحمیری،
مدیر اوقاف و مذہبی امور دبئی۔)

اللہ رب العالمین کی عطا کی ہوئی اور آئندہ عطا کی جانے والی نعمتوں پر حمد و ثنا ہے جس نے اپنے نبی کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے۔ نبیٔ اکرم کی ذاتِ اقدس اللہ تبارک و تعالیٰ کا مسلمانوں پر عظیم احسان ہے جبکہ مدینہ منورہ میں زمین کے ایک حصے کو آپ کی آرامگاہ ہونے کا شرف بخشا۔ اس نسبت سے زمین کا وہ ٹکڑا سب سے مقدس و محترم ہوگیا اور مسلمانوں کے دلوں میں عظیم قدر و منزلت پاگیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو خصوصی فضل و کرم سے یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ حتمی طور پر معلوم ہے اس طرح کسی نبی یا رسول کی قبر حتمی طور پر متعین نہیں ہمارے خیال میں یہ بات امتِ مسلمہ کے لئے اپنے آقا کے دامن سے قیامت تک وابستہ رہنے کا ایک ذریعہ ہے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر سے کونسی دلیل روکتی ہے؟ اور

کیا رکاوٹ ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شَدِّ رِحَال کی حدیث میں ـــ
"وَمَسْجِدِیْ" (اور میری مسجدؐ) فرمایا ہے اپنی ذاتِ مبارکہ کی طرف مسجد کی نسبت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مسجد کی فضیلت آپ کے پڑوس کی وجہ سے ہے، جیسے کہ مسجد حرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سابقہ انبیاء کے سبب محترم ہوئی نیز دیگر مساجد پر فضیلت پانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں کی مٹی آپ کے جسم کا مادہ بنی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے مسجد اقصیٰ کا مرتبہ ہے اور یہ مسجد پہلا قبلہ بھی ہے۔ اگر مسجد نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ نہ ہوتی تو مسجد اقصیٰ مسجد نبوی سے زیادہ فضیلت والی ہوتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ	اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے
اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى	تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔
الْقُلُوْبِ۔ (الحج، ۲۲ : ۳۲)	

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کی طرف سفر بہت سی ـــ احادیث سے ثابت ہے، انہیں احادیث میں سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

كُنْتُ قَدْ نَهَيْتُكُمْ	میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے
عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ أَلَا	منع کیا تھا، سنو قبروں کی زیارت کو
فَزُوْرُوْهَا۔	جایا کرو۔

"شَدِّ رِحَال" والی حدیث مساجد کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور امام احمد کی یہ روایت اس حدیث کی وضاحت کرتی ہے:

لَا تُشَدُّ الْمَطِيُّ إِلَى مَسْجِدٍ	تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں
تَبْتَغِيْ فِيْهِ الصَّلٰوةَ إِلَّا إِلَى	نماز کے لئے کجاوے نہیں کسے
ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ۔	جائیں گے۔

جس شخص نے بھی اس حدیث کو عمومی ممانعت کے لئے دلیل بنایا اس نے غلط فیصلہ کیا انبیاء و اولیاء کی قبور پر حاضری سے منع کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ ایسی اندھی تقلید میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈریں کیونکہ سمجھ ہرگز خیر نہیں۔ [illegible] مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں پائے حاصل کرے، اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اپنے بھائی کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر ظلم کرتا ہے، اور اسلام ایک مضبوط دین ہے جس نے دین پر غلبہ پانے کی کوشش کی وہ خود مغلوب ہو گیا، اس راہ پر نرم روی سے گامزن رہو اور اسلام میانہ روی کا قائل ہے عصبیت کا قائل نہیں نیز تشدد اور انتہا پسندی کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

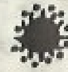
اسلام سطحی رائے کو پسند نہیں کرتا اور عملی میدان میں بھی سطحی سوچ کو مسترد کرتا ہے۔ کیونکہ ایسی سوچ اِدھر اُدھر کے نکتہ نظر سے محفوظ نہیں ہوتی۔ اس لئے عقل مند اور محتاط انسان پر لازم ہے کہ وہ دانائی حاصل کرنے میں پوری ذہانت کا مظاہرہ کرے۔ ایسا بھولا بھالا نہ ہو کہ جگہ جگہ سے سر اٹھانے والے فتنوں کے داعی، دھوکے میں مبتلا کر کے حق و باطل کو خلط ملط کر دیں یہ نہ تو سچے مسلمان کا مزاج ہے اور نہ ہی سلف صالحین کی سیرت۔

یہ عظیم رسالہ فاضل محدث شیخ محمود سعید ممدوح کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے سنت مطہرہ کا دفاع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل محدث کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کا نام ہے:

اَلْإِعْلَامُ بِاسْتِحْبَابِ شَدِّ الرَّحْلِ لِزِيَارَةِ قَبْرِ خَيْرِ الْأَنَامِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ۔

(تمام مخلوقِ خدا سے افضل ہستی کی قبرِ انور کی زیارت کے لئے سفر مستحب ہونے کا اعلان)

اس مسئلہ پر جو کچھ کہا جا سکتا ہے مصنف نے اسے اختصار سے ذکر کیا ہے، اپنے محبوب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے اور اہلِ محبت کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچانے اور منکرین کی ہدایت کے لئے مضبوط اور روشن دلائل کا سہارا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ اس رسالے کو اہلِ اسلام کے لئے مفید علم بنائے اور منتشر امت کی شیرازہ بندی کا ذریعہ بنائے۔ میرا رب دعا کو بہت سننے والا ہے۔



تقریظ

علامہ شیخ محمد بن عمر سالک شنقیطی

(صدر مجلس افتاء محکمہ اوقاف دبئی)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے حمد وثنا ہے جس نے اہلِ علم کے درمیان علم کو رابطہ بنایا جو انہیں حق بات پر یکجا کرتا ہے، اور درود وسلام ہو ساری کائنات سے افضل آقا رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے گا۔

حمد وثنا کے بعد، مجھے میرے فاضل دوست شیخ محمود سعید ممدوح نے الاعلام نامی رسالہ دکھایا جو کہ اسم بامسمّیٰ ہے۔ اس میدان میں شیخ محمود سے پہلے عظیم لوگوں نے کاوشیں کی ہیں بالخصوص شیخ الاسلام تقی الدین سبکی اور دیگر علمائے اسلام لیکن ہمارے فاضل دوست نے عصری تقاضوں کے مطابق رسالہ پیش کیا ہے۔

اس رسالے نے جیسے بزرگوں کو متنبہ کیا اور انہیں سیدھی راہ دکھائی اسی طرح آنے والی نسلوں کو بھی فائدہ دے گا، اس سے پہلے ہم سراب کو پانی سمجھتے تھے اور ناحق کو حق جانتے تھے۔ آج کے دور میں سنّت کا عجیب حال ہے حتیٰ کہ اس کے دوست اور دشمن کی پہچان مشکل ہو گئی ہے، کہنے والے نے سچ کہا اپنے دشمن سے ایک دفعہ اور اپنے دوست سے ایک ہزار مرتبہ ڈرو کسی شاعر نے کہا ہے:

کتابوں میں مفید چیزیں پائی ہیں جبکہ بعض کتابیں قرآن، سنت رسول، اجماع امّہ اور اتفاق امّت سے ثابت افکار کے بالکل مخالف ہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے سفر کا مستحب ہونا، جبکہ حضور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں (جیسے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلکش روضہ شریف کی زیارت کرنا اور آپ کے آثار سے برکت حاصل کرنا ایسا مسئلہ ہے جس کی ترغیب میں اسلاف اور ان کے پیروکاروں کے اقوال کثرت سے موجود ہیں اس بات پر سب کا زبانی اور عملی اجماع ہے۔ مخالفین کا یہ کہنا سراسر زیادتی ہے کہ روضۂ رسول کی زیارت ضروری نہیں۔ حالانکہ مشہور فقہاء نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ ان کا ارشاد ہے کہ روضۂ رسول کی زیارت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا بہترین ذریعہ، محبوب عمل اور کامیاب ترین سعی ہے، ہم نے مخالفین میں ایسے لوگ بھی پائے ہیں جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی نیت سے سفر گناہ ہے، اس سفر میں نماز قصر نہیں پڑھی جائے گی، مخالفین کے منہ سے یہ بہت بڑی بات نکلی ہے جو سراسر جھوٹ ہے۔ یہ لوگ زائرین مدینہ منورہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صرف مسجد نبوی کی زیارت کی نیت رکھیں حالانکہ مدینہ منورہ تو محترم ہی محبوب خدا کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ مصیبت عام ہو چکی ہے، ناحق اور حق خلط ملط ہو چکے ہیں، عوام آزمائش سے دوچار ہیں ایسے میں ہم اپنی حالت زار اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ہی عرض کرتے ہیں۔

مختلف طبقات، ممالک اور فقہی مسلکوں سے تعلق رکھنے والے سلف صالحین اور ان کے پیروکار نسل در نسل مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے یا بعد زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسلاف کی اتباع کرتے چلے آرہے ہیں۔

اور یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِي ذَاكَ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ صَلَاةٍ فِي هٰذَا۔

(بخاری ومسلم)

میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجد کی ہزار نمازوں سے زیادہ فضیلت والی ہے مسجد حرام کے سوا۔ (کیونکہ) وہاں کی ایک نماز یہاں کی سو نمازوں سے زیادہ فضیلت والی ہے۔

ہر ذی عقل پوچھتا ہے کہ اسلاف اور ان کے پیروکاروں نے ایک لاکھ کا ثواب ایک ہزار پر کیوں قربان کیا؟ خدا کی قسم وہ لوگ ہرگز ہرگز ایسے نہ تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا، مال خرچ کیا اور مسجد حرام کا ثواب چھوڑا۔ اگر آپ ایک لاکھ اور ایک ہزار کے درمیان موازنہ کرکے دیکھیں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ امت نے کس جذبے سے اپنے محسن نبی کی عزت کی ہے۔

اپنے ان بھائیوں کے لئے جو روضۂ رسول کی زیارت کی نیت سے سفر کے متعلق شکوک وشبہات اور آزمائش سے دوچار ہیں، یہ رسالہ لکھا ہے جو حجم کے اعتبار سے چھوٹا اور معنویت کے اعتبار سے بڑا ہے اور اس رسالہ کا نام رکھا ہے:

(الْإِعْلَامُ بِاسْتِحْبَابِ زِيَارَةِ قَبْرِ خَيْرِ الْأَنَامِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ)۔

(تمام خلق خدا سے افضل ہستی کی قبر انور کی زیارت کے لئے سفر مستحب ہونے کا اعلان)۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس نیازمندانہ کوشش کو اپنی بارگاہ بیکس پناہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور ہمیں نبی کریم عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيمِ کی زیارت کرتے رہنے اور آپ کی سنت مبارکہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی توفیق عطا

فرمائے اور قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے سائے میں اٹھائے۔ بے شک میرا رب دعاء کو بہت زیادہ سننے والا ہے ۔ اول وآخر اسی کی حمد و ثنا ہے ۔

الراقم

محمود سعید ممدوح

بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کے لئے سفر کے مستحب ہونے پر دلیل!

روضۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کرنا ایسے مستحب کاموں میں سے ہے جن کی بے حد تاکید کی گئی ہے، بعض علماء کے نزدیک روضۂ رسول کی زیارت وجوب کے قریب ہے بلکہ حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرنے والے علماء اور بہت سے مالکی اور حنفی علماء کے نزدیک واجب ہے۔

امام ابوزکریا نووی (جن کے علم وفضل پر علمائے امت کا اجماع ہے) کا ارشاد گرامی ہے کہ "روضۂ اقدس کی زیارت اہم ترین امورِ خیر اور کامیاب ترین کوششوں میں سے ہے۔ جب حج وعمرہ کرنے والے واپس لوٹیں تو ان کے لئے بڑی تاکید سے یہ مستحب ہے کہ وہ مدینہ منورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوں ۔ اور روضۂ رسول کی زیارت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے قرب اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ارادہ کریں"

(المجموع ۸/۲۰۲)

تمام فقہاء اپنے فقہی مسلکوں میں اسی راستے پر چلے ہیں اور حنبلیوں کے امام ابو محمد بن قدامہ حنبلی نے اپنی کتاب مغنی (۳/۵۸۸) میں امام نووی کی طرح ارشاد فرمایا ہے

اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ المقنع میں ہے: جب حاجی حج سے فارغ ہو تو اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما) کے مزارِ اقدس کی زیارت کرنا مستحب ہے اور مرداوی نے اس بات پر یہ اضافہ کیا ہے کہ تمام حنبلی علماء اسی بات کے قائل ہیں۔ (الانصاف ۴/۵۳)

فقہاء اور دانشوروں کے ارشادات کو توجہ سننے والوں کے لئے یہی حوالے کافی ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں لیکن جسے دلیل کی خواہش ہو اس کے لئے اہلِ محبت علماء نے قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے دلائل بیان کئے ہیں۔

زیارتِ نبوی اور قرآن

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

(النساء ۴/۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے، تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنیوالا پائیں گے۔

یہ آیتِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بارگاہِ مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء میں حاضری تمام حالات میں مطلوب ہے۔ اس لئے کہ فعل (جاءوک) کا جملہ شرطیہ میں واقع ہونا عموم پر دلالت کرتا ہے اور ارشاد الفحول (ص۱۲۲) میں ہے کہ عموم کا بہترین صیغہ وہ ہے جو جملہ شرطیہ میں واقع ہو۔ (ص۱۲۲)

اکثر مفسرین نے بھی آیتِ کریمہ سے یہی عموم سمجھا ہے۔ لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے امام عتبی کا مشہور واقعہ اس آیت کے تحت ذکر کیا ہے کہ وہ روضۂ

اقدس پر حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کو تَوَّاب (بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا) اور رَحِیْم (بے حد مہربان) پانا تین امور سے متعلق ہے۔

۱۔ بارگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں حاضری۔

۲۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اللہ تعالیٰ سے (آپ کے وسیلہ سے مغفرت طلب کرنے والے کے لئے) بخشش چاہنا۔

تمام اہلِ محبت مسلمانوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بخشش کی دعا کرنا قرآن سے ثابت ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔

(محمد ۴۷/۱۹)

اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (کنز الایمان)

شیخ محمد بن صالح العثیمین کا اعتراض

محمد بن صالح العثیمین نے اپنی کتاب (فتاوٰی مہمۃ لامور الامۃ ۳/۱۰۰) میں اس آیت سے استدلال کرنے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں (إذ) ظرف ہے جو ماضی کا معنی دیتا ہے مستقبل کا معنی نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ نے (ولو انهم إذا ظلموا) نہیں فرمایا بلکہ (إذ ظلموا) فرمایا ہے آیتِ کریمہ وہ بات بیان کر رہی جو کچھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہوا اور وصال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کے لئے مغفرت طلب کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں جیسے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ جاریہ، علم نافع اور دعا گو بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔ انسان کے فوت ہو جانے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی کے لئے اللہ سے بخشش کا سوال کرے بلکہ اپنے لئے بھی بخشش کا سوال نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ موت کے بعد اب نیک کام نہیں کر سکتا"۔

شیخ مذکور کا رد

میں کہتا ہوں کہ عثیمین کی اس جسارت سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس کا رد درج ذیل سطور میں ملاحظہ ہو۔

عثیمین نے جو یہ کہا ہے کہ (إذ) فقط زمانۂ ماضی پر دلالت کرتا ہے یہ بات محل نظر ہے۔ اس لئے کہ (إذ) جس طرح ماضی کے لئے مستعمل ہے اسی طرح مستقبل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے اور بھی کئی معانی ہیں جنہیں ابن ہشام نے مغنی اللبیب (۱/ ۸۰ - ۸۲) میں ذکر کیا ہے۔

اور ازہری نے (إذ) مستقبل کے معنی میں استعمال ہونے پر تہذیب اللغۃ (۱۵/ ۴۷) پر یہ دلیل ذکر کی ہے کہ "اہل عرب مستقبل کے لئے (إذ) اور ماضی کے لئے (إذا) استعمال کرتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَوْ تَرٰى اِذْ فَزِعُوْا — اور اس طرح تو دیکھے جب وہ گھبراہٹ میں ڈالے جائیں گے۔

(سورۂ سبا ۳۴/ ۵۱)

میں کہتا ہوں قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات میں (اذ) مستقبل کے لئے وارد ہوا۔

(۱) وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ — اور کبھی تم دیکھو جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے۔

(الانعام ۶/ ۳۰)

(۲) وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ — اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے۔

(الانعام ۶/ ۱)

(۳) وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ — اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے۔

(السجدہ ۳۲/ ۱۲)

ابن عثیمین کا یہ کہنا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ انسان کے فوت ہو جانے کے بعد تین صورتوں کے علاوہ عمل کا سلسلہ جاری نہیں رہتا"۔

میں کہتا ہوں ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے مشکل نہیں:

۱۔ امام بیہقی نے حیاۃ الانبیاء (ص ۱۵) پر اور امام ابو یعلی نے اپنی مسند میں (۶/ ۱۴۷) اور ابو نعیم نے اخبار اصبہان میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون — انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح ہے اور ہیثمی نے المجمع (۸/ ۲۱۱) میں فرمایا ہے کہ "ابو یعلی کی سند کے راوی ثقہ ہیں اور حدیث کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے"۔

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ — میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے اس حال میں گذرا کہ وہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس روایت کو امام مسلم نے صحیح مسلم میں (۴/ ۱۸۴۵) اور امام احمد نے (۳/ ۱۲۰) میں اور بغوی نے شرح السنۃ میں (۱۳/ ۳۵۱) پر ذکر کیا ہے اور دیگر محدثین

نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

ابن قیم نے اپنے قصیدہ نونیہ میں رسولوں کی وفات کے بعد زندگی پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

وَالرُّسْلُ أَكْمَلُ حَالَةً مِنْهُ   بِلَا شَكٍّ وَهٰذَا ظَاهِرُ التِّبْيَانِ

(بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول دنیوی زندگی کے بعد مکمل زندہ ہیں، اور یہ بات ظاہر و باہر ہے)۔

فَلِذٰلِكَ كَانُوا بِالْحَيَاةِ أَحَقَّ مِنْ   شُهَدَائِنَا بِالْعَقْلِ وَالْبُرْهَانِ

(اسی لئے انبیائے کرام عقلی و نقلی دلائل کے اعتبار سے ہمارے شہیدوں سے زیادہ زندگی کے حقدار ہیں)۔

وَبِأَنَّ عَقْدَ نِكَاحِهِ لَمْ يَنْفَسِخْ   فَنِسَاؤُهُ فِي عِصْمَةٍ وَصِيَانِ

(اور اس لئے بھی کہ ان کا عقد نکاح نہیں ٹوٹا، ان کی ازواج مطہرات محفوظ و مامون ہیں)۔

وَلِأَجْلِ هٰذَا لَمْ يَحِلَّ لِغَيْرِهِ   مِنْهُنَّ وَاحِدَةٌ مَدَى الْأَزْمَانِ

(اسی لئے ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے لئے رہتی دنیا تک حلال نہیں ہے)

أَفَلَيْسَ فِي هٰذَا دَلِيلٌ أَنَّهُ   حَيٌّ لِمَنْ كَانَتْ لَهُ أُذُنَانِ

(کیا اس میں دو کانوں والے ہر انسان کے لئے دلیل نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں)۔

(قصیدہ نونیہ مع شرح ابن عیسیٰ ۲/۱۶۰)

۲۔ یہ روایت تواتر سے ثابت ہے کہ معراج کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام کی امامت کرائی حالانکہ تمام انبیاء موت کا ذائقہ چکھ چکے تھے، اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کے سلسلے میں کئی بار واپس بھیجا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر کئی انبیاء کرام سے آسمانوں میں ملاقات فرمائی۔ جس ہستی کا یہ حال ہو، اس پہ (بعد از وصال) اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرنا کیسے مشکل ہوگا! جبکہ نماز سراپا دعا، استغفار اور گریہ زاری ہے۔

۳۔ یہ روایت صحیح ہے کہ نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ لَكُمْ۔

ہماری (ظاہری) زندگی تمہارے لئے بہتر ہے تم گفتگو کرتے ہو اور تم سے گفتگو کی جاتی ہے اور ہماری رحلت (بھی) تمہارے لئے بہتر ہے، ہم پر تمہارے اعمال پیش کئے جائیں گے ہم جو اچھا کام دیکھیں گے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور جو برا کام دیکھیں گے تو تمہارے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے بارے میں حافظ عراقی طرح التثریب (۲/۲۹۷) میں فرماتے ہیں: "اس کی سند جید (عمدہ) ہے"۔ اور امام ہیثمی مجمع الزوائد (۹/۲۴) میں فرماتے ہیں: "اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحاح کے راوی ہیں"، اور اس حدیث کو امام سیوطی نے بھی خصائص کبریٰ (۲/۲۸۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔ امام عراقی اور امام ہیثمی کی گفتگو فقط بزار کی سند کے بارے میں ہے ورنہ حدیث صحیح ہے جیسے کہ امام سیوطی وغیرہ نے فرمایا، اور میں نے اس حدیث پر اپنی کتاب "رفع المنارة لتخريج أحاديث التوسل والزيارة" میں تفصیل گفتگو کی ہے۔

۴۔ اہلِ محبت میں سے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ کا زمانہ نصیب ہوا اور جس حرماں نصیب کو یہ عہدِ مبارک میسر نہیں آیا سب اہلِ ایمان کو یہ سعادت حاصل ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد ۱۹/۴۷)

اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مرد اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔

یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک عظیم خصوصیت ہے۔

سابقہ گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ آیۂ کریمہ میں ذکر کئے گئے تین امور یہ ہیں:

۱۔ بارگاہِ مصطفیٰ علیہا التحیۃ والثناء میں حاضری۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت (بوسیلۂ حبیبِ خدا) طلب کرنا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے اہلِ ایمان کے لئے اپنی (ظاہری) زندگی میں اور بعد از وصال مغفرت طلب کرنا تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ یہ آیت خاص قوم کے بارے میں نازل ہوئی تھی لہٰذا انہیں کے ساتھ مخصوص رہے گی۔ اس لئے کہ اصولِ تفسیر میں یہ قاعدہ مشہور و مسلمہ ہے:

العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

عمومِ لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیتِ سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اسی لئے مفسرین کرام نے اس آیتِ کریمہ سے عموم ہی سمجھا ہے اور اس بات کو مستحب کہا ہے کہ جو شخص روضۂ اقدس پر حاضر ہو وہ یہ آیت پڑھے اور اللہ تعالیٰ

سے بخشش کا سوال کرے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (النساء ۶۴/۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

ہمارے سامنے مذاہبِ اربعہ کی تفاسیر اور مسائلِ حج پر لکھی ہوئی کتابیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے ہمارا استدلال درست ہے۔

ہم زیادہ دور کیوں جائیں یہ علامہ ابو محمد ابن قدامہ حنبلی مصنف المغنی ہیں جن کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا کہ شام میں اوزاعی کے بعد ابنِ قدامہ سے بڑا فقیہ نہیں آیا۔ حنابلہ کے شیخ ابو محمد قدامہ، المغنی (۵۹۰/۳۰) میں روضۂ رسول پر حاضری کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر روضۂ اقدس پر حاضر ہو۔ قبلہ کی طرف پشت اور روضۂ اقدس کی درمیانی جالی کی طرف رُخ کر کے یوں عرض کرو:

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، السلام علیک یا نبی اللہ وخیرتہ من خلقہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ اشھد انک

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برکتیں اور سلامتی ہو اے اللہ کے نبی اور اس کی مخلوق میں سے برگزیدہ ہستی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا

بلغت رسالات ربك ، و
نصحت لأمتك و دعوت
الى سبيل ربك بالحكمة
والموعظة الحسنة وعبدت
الله حتى اتاك اليقين ،
فصلى الله عليك كثيرا
كما يحب ربنا و يرضى ۔
اللهم اجزه عنا نبينا
افضل ما جزيت احدا
من النبيين و المرسلين ،
وابعثه المقام المحمود
الذى وعدته يغبطه
به الاولون والآخرون ،
اللهم صل على محمد و
على آل محمد كما صليت
على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد ۔ اللهم
انك قلت: و قولك الحق
و لو انهم اذ ظلموا
انفسهم جاءوك فاستغفروا
الله و استغفر لهم الرسول

ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مکرم بندے اور رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بخوبی پہنچا دیا اور آپ نے اپنی امت کی خیر خواہی فرمائی۔ اور آپ نے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اعلیٰ نصیحت کے ذریعے دعوت دی، اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی یہاں تک کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آ گیا۔ ہمارا رب آپ پر بہت زیادہ درود بھیجے جیسے پسند فرمائے، اے اللہ تعالیٰ ہمارے نبی کو ہماری طرف سے افضل ترین جزا عطا فرما، جو انبیاء اور مرسلین میں سے کسی کو عطا فرمائی ہو، اور انہیں مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ جس پر پہلے اور پچھلے رشک کریں گے۔ اے اللہ تعالیٰ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی اولاد پر درود بھیج جیسے تو نے

لوجدوا الله توابا رحيما"
و قد اتيتك مستغفرا
من ذنوبي مستشفعا بك
الى ربي فاسألك يارب
ان توجب لي المغفرة
كما اوجبتها لمن اتاه
في حياته ، اللهم اجعله
اول الشافعين و انجح
السائلين و اكرم الآخرين
و الاولين ، برحمتك يا
ارحم الراحمين

حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر درود بھیجا۔ اے اللہ تعالیٰ تو نے ہی فرمایا ہے اور تیرا فرمانا سچ ہے " اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، پس اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کریں، نبی مکرم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کریں، تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے"۔ میں اپنے گناہوں کی بخشش کا طلبگار ہو کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں شفاعت کی آرزو لئے حاضر ہو گیا ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو میرے لئے مغفرت لازم فرما دے۔ جیسے تو نے اس شخص کے لئے بخشش لازم فرمائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (ظاہری) زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اے اللہ تعالیٰ! اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی رحمت سے پہلا سفارش کرنے والا

اور کامیاب ترین سوال کرنے والا اگلوں
اور پچھلوں میں سب سے زیادہ عزت والا
بنادے)۔

پھر اپنے والدین کریمین، بھائیوں اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے اور تھوڑا سا آگے بڑھ کر یوں عرض کرے۔

السلام علیک یا ابابکر الصدیق السلام علیک یا عمر الفاروق السلام علیکما یا صاحبَیْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضجیعیہ و وزیریہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ اللّٰھم اجزھما عن نبیھما وعن الاسلام خیرا ، سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اللّٰھم لا تجعلہ اخر العھد من قبر نبیک صلی اللہ علیہ وسلم و من حرم مسجدہٖ یا ارحم الراحمین ۔	اے حضرت ابوبکر صدیق آپ پر سلام ہو۔ اے حضرت عمر فاروق آپ پر سلام ہو (پھر یوں عرض کرے) اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آرام فرما دونوں ساتھیو اور وزیرو آپ دونوں پر سلام، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہو۔ آپ دونوں کے صبر کی بدولت آپ پر سلام ہو۔ اے اللہ تعالیٰ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے میری اس حاضری کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر اور مسجدِ نبوی میں آخری حاضری نہ بنانا۔

عثیمین کی اس بات پر گفتگو باقی رہ گئی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے ہیں تو تین صورتوں کے علاوہ نیک عمل کا امکان ختم ہوگیا ۔۔۔ الخ

میری گذارش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کمالات اور ایسی خصوصیات ہیں جو کسی میں نہیں پائی گئیں اور یہی بات ابن تیمیہ نے اپنی نفیس کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں لکھی ہے: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک درجات قیامت تک بلند ہو رہے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ دعا الی ھدیٍ کان لہ مِنَ الاجر مثل اجور مَنْ اتبعہ لا ینقص ذلک مِنْ اجورھم شیئًا۔	جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اس کے لئے اتنا ہی اجر ہے جتنا پیروی کرنے والوں کا جبکہ ان کے اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔

یہ تمام اعمال جو امت محمدیہ سرانجام دے رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق سے وابستہ ہیں اسی طرح ان صالح اعمال کا ثواب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور آپ اس سے متمتع ہوتے ہیں باوجودیکہ امت کے اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔

اس درست رائے کے بارے میں فتاوٰے ابن تیمیہ کی جلد ۱ ص ۱۹۱ میں ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَن دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من اتبعہ من غیر أن ینقص من اجورھم شیئًا۔	جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا پیروی کرنے والوں کے لئے جبکہ ان کے اجر و ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی۔

امت جو نیکیاں کر رہی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کی طرف بلانے والے ہیں۔ امتی جو نیکیاں بھی کرتے ہیں اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی امتیوں کے اجر میں کمی کے بغیر اس طرح اجر ہے جیسے ان سب کے لئے ہے۔

زیارتِ نبوی اور احادیث

احادیث مبارکہ کے دلائل دو طرح کے ہیں :

(۱) وہ احادیث جو مطلقاً زیارتِ قبور کے حکم پر مشتمل ہیں اس مسئلہ پر اتنی احادیث ہیں کہ حدِ تواتر کو پہنچتی ہیں جیسے کہ "نظم المتناثر فی الحدیث المتواتر" میں ہے :

انی کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکرکم الاخرۃ ۔

بے شک ہم نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، تو اب (قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں ۔

یہ حدیث حضرت بریدۃ ابن اخطب سے امام مسلم نے (۲/۶۷۲) اور امام احمد نے مسند میں (۵/۳۵۵) اور طحاوی میں (۴/۲۸) نقل کی ہے ۔

امام نسائی نے بریدہ کے الفاظ سنن نسائی (۴/۷۳) میں یوں نقل کئے ہیں :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن اراد ان یزور القبور فلیزر ولا تقولوا ھجرًا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبروں کی زیارت کرنا چاہے کرے لیکن تم ممنوع بات کہنے سے بچو ۔

یہ حدیث عام ہے اس لئے کہ فعل شرط کے انداز میں عموم کا فائدہ دیتا ہے ۔

لہٰذا زیارتِ قبور مطلوب ہے، سفر سے ہو یا بغیر سفر کے ۔ شریعت مبارکہ میں تمہیں اس کا مخصص نہیں ملے گا (جس سے یہ ثابت ہو کہ فقط سفر کے بغیر زیارتِ قبور جائز ہے) مخالف اگرچہ جنوں اور انسانوں سے بھی مدد طلب کرے تو اسے ایسا مخصص نہیں ملیگا ۔

پھر لفظ "زیارت" کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا تصوّر وابستہ ہے اور شارع علیہ السلام زیارت قبور کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے پر آمادہ فرما رہے ہیں ۔ اگرچہ کہا جائے کہ ابن تیمیہ نے الردّ علی الاخنائی (ص ۷۷) میں کہا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے : "فزوروا القبور" (قبور کی زیارت کرو) یہ تو صرف مطلق زیارت یا اس کے استحباب یا جواز پر دلالت کرتا ہے لیکن زیارتِ قبور کے لئے سفر کے مستحب یا جائز ہونے پر دلالت نہیں کرتا ۔"

میری گذارش ہے کہ حدیث میں تو اجازت عام ہے اور کوئی نص اس میں تخصیص بھی نہیں کر رہی اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے ۔ اب اگر زیارتِ قبور کا تعلق سفر کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے ہے تو اس سفر سے منع پر کوئی نص نہیں ۔

اختلاف رائے کے وقت شریعت ہی مرجع ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۔ (النساء ۴/۵۹)

پس اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو، اگر اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کو زیارت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ ایسی نص ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح (۴/۱۹۸۸) میں روایت نقل کی ہے کہ:

إِنَّ رَجُلاً زَارَ أَخاً لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَىٰ فَأَرْصَدَ اللهُ عَلَىٰ مَدْرَجَتِهِ مَلَكاً فَلَمَّا أَتَىٰ عَلَيْهِ قَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ أُرِيدُ أَخاً لِي فِي تِلْكَ الْقَرْيَةِ قَالَ: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللهِ فَقَالَ: إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللهَ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ۔

ایک شخص اپنے بھائی کی ملاقات کرنے دوسری بستی میں گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ مقرر کر دیا، جب وہ شخص اس فرشتے کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگا میرا ایک بھائی فلاں گاؤں میں ہے، اس کے پاس جانے کا ارادہ ہے، فرشتے نے کہا کیا تمہارا اس پر کوئی احسان ہے؟ جس کی تکمیل چاہتے ہو؟ اس شخص نے کہا نہیں مجھے اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے محبت ہے، فرشتے نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو تم سے محبت ہے جیسے تمہیں اپنے بھائی سے محبت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف سفر کو زیارت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس بناء پر زیارت کا لفظ سفر اور غیر سفر دونوں کو شامل ہے، اس لئے زیارت کے لفظ کو اس کی دو اقسام میں سے ایک قسم (یعنی بغیر سفر کے

زیارت) میں محدود کر دینا سینہ زوری ہے اور شریعت کے اصولوں کی مخالفت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب!

فائدہ

حافظ ابوزرعہ عراقی نے طرح التثریب (۶/۴۳) میں کہا ہے کہ میرے والد (حافظ ولی اللہ عراقی) رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ شیخ زین الدین عبدالرحیم بن رجب علی حنبلی کے ہمراہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر کی طرف روانہ ہوئے، جب شہر کے قریب پہنچے تو شیخ زین نے کہا میں نے حضرت خلیل اللہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت کی ہے تاکہ ابن تیمیہ کے الزام سے بچ سکیں۔ میں نے کہا: کہ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار اقدس کی زیارت کی نیت کی ہے اور پھر اس (شیخ زین الدین) سے کہا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے اس لئے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: صرف تین مساجد کی طرف سامانِ سفر باندھا جائے" اور آپ نے چوتھی مسجد کی طرف سامانِ سفر باندھا ہے، جبکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے اس لئے کہ آپ نے فرمایا ہے "زیارتِ قبور کرو۔" کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استثناء فرمایا ہے سوائے انبیاء کی قبروں کے؟ (شیخ ولی اللہ فرماتے ہیں) کہ شیخ زین الدین مبہوت ہو گئے۔

عراقی کبیر شیخ ولی اللہ حافظ الحدیث، فقیہ اور ماہرِ اصول تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر خاص رحم و کرم فرمائے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت پر دلالت کرنے والی حدیثیں ہیں، اس موضوع پر بہت سی حدیثیں ہیں جنہیں ابن السکن، عبدالحق اشبیلی، تقی الدین سبکی اور سیوطی جیسے ائمہ نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے اور امام ذہبی کی عبارت

بھی حدیث کے حسن ہونے کی صراحت کرتی ہے جسے امام سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں نقل کیا اور برقرار رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں احادیث پر گفتگو کا شرف رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ کی صورت میں عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے جس کے فضل وکرم سے ہی نیک کام پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں بعض احادیث مختصر تشریح کے ساتھ درج ذیل ہیں:

مَن زار قبری وجبت له شفاعتی۔ — جس شخص نے ہمارے روضۂ اقدس کی زیارت کی اس کے لئے ہماری شفاعت واجب ہوگئی۔

اسے امام دارقطنی نے (۲۷۸/۲) اور امام دولابی نے الکنی والاسماء (۶۴/۲) میں امام بیہقی نے شعب الایمان (۱۷۰/۳) میں خطیب نے تلخیص المتشابہ (۵۸۱/۱) میں اور عقیلی نے (۱۷۰/۴) میں اور ابن عدی نے (۲۳۵۰/۶) وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

سب کے سب مختلف سندوں کے ساتھ، موسیٰ بن ہلال عبدی سے راوی ہیں، وہ عبید اللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمر سے اور وہ دونوں نافع سے وہ ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں، یہ سند حسن ہے خواہ موسیٰ بن ہلال نے عبید اللہ سے روایت کی ہو یا عبیداللہ سے۔ دونوں طرح حسن ہے، اور موسیٰ بن ھلال پر میں نے رفع المنارہ میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اس مختصر رسالہ میں الکامل (۲۳۵۰/۶) میں مذکورہ ابن عدی کا قول ہی کافی ہے کہ "میرا خیال ہے کہ اس سند میں کوئی خامی نہیں"۔ ابن ہلال کو ابن عدی کے علاوہ کچھ لوگوں نے مجہول بھی قرار دیا ہے، لیکن یہ درست نہیں، وہ امام احمد کے شیوخ

میں سے ہیں اور وہ اکثر ثقہ ہیں۔

ابن ہلال کے بارے میزان (۲۲۶/۴) میں مذکور حافظ ذہبی کا قول تمام اقوال کا خلاصہ ہے: "ھو صالح الحدیث" (ان کی روایت قابل قبول ہے)۔

یہ حدیث دو طریقوں سے ثابت ہے۔ موسیٰ بن ھلال کی عبید اللہ (یہ ثقہ اور حافظ ہیں) سے روایت اور عبداللہ بن عمر سے (ان کی حدیث حسن) اور اس حدیث کو صرف عبداللہ بن عمر عمری سے مروی ثابت کرنا، جیسے کہ ابن عبدالھادی نے الصارم المنکی میں کی ہے غلط ہے اور یہ البانی جو ابن عبدالھادی کا ہم مسلک ہے وہ بھی موسیٰ بن ہلال کی دونوں روایتوں کو تسلیم کرتا ہے اس کی ارواء (۲۳۷/۴) ملاحظہ کیجئے۔ فرض کریں موسیٰ بن ھلال نے صرف عبداللہ بن عمر عمری سے ہی روایت کی ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں کیونکہ عبداللہ بن عمر عمری حسن الحدیث ہیں۔ اور ان کے بارے میں خلاصۂ اقوال کے طور پر المغنی (۳۴۸/۱) میں حافظ ذہبی کا یہ قول ہے: صَدُوْق حَسَنُ الْحَدِیْث وہ سچے ہیں اور ان کی روایت کردہ احادیث حسن ہیں۔

امام ذہبی نے دو کتابوں الکاشف (۹۹/۲) اور الدیوان (ص ۱۱۲) میں عبداللہ بن عمر عمری تائید وتوثیق میں مذکورہ دونوں عبارتوں پر اکتفا کیا ہے۔

امام سخاوی نے التحفۃ اللطیفۃ (۳۶۶/۳) میں فرمایا ہے: کان صالحاً عالماً صالح الحدیث (وہ صالح عالم تھے اور ان کی روایت کردہ حدیث قابل قبول ہے)۔

امام ذہبی نے اپنے رسالہ جزءٌ من تکلم فیه وهو موثق (ص ۱۱۲) میں حضرت ابن عمر عمری کا ان راویوں میں ذکر کیا ہے جن میں لوگوں نے کلام تو کیا ہے مگر وہ ثقہ ہیں۔ جب ابن عمر عمری کا حسن الحدیث ہونا ثابت ہوگیا تو نافع سے ان کی روایت بہت

قوی ہوگی، اور یہ یاد رہے یہاں انہوں نے نافع سے ہی روایت کی ہے، امام عثمان بن سعید دارمی فرماتے ہیں: میں نے ابن معین سے پوچھا: ابن عمر (عمری) کی نافع سے روایت کیسی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: صَالِحٌ ثِقَۃٌ (وہ صالح اور ثقہ تھے (الکامل ۲/۱۴۵۹)

سابقہ گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث حسن اور جید الاسناد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ مَنْ صلی علیَّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیَّ نائیاً اُبلغتہ

جس نے ہمارے مزار شریف کے پاس ہم پر درود بھیجا وہ ہم نے سنا اور جس نے دور سے ہم پر درود بھیجا وہ ہمیں پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث کو ابو الشیخ الاصفہانی نے الثواب میں روایت کیا ہے (جیسے القول البدیع ص ۱۵۴ اللآلی (۱/۲۸۲) میں مذکور ہے۔

ابو الشیخ نے فرمایا ہمیں یہ حدیث عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج نے حسن بن صباح سے روایت کی انہوں نے ابو معاویہ سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابو صالح سے انہوں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی۔

میں کہتا ہوں، ابو الشیخ اصفہانی کے شیخ کے علاوہ سند کے تمام راوی صحاح کے راوی ہیں اور ابو الشیخ نے اپنے اس شیخ کے حالات طبقات المحدثین (۳/۵۲۱) میں اور ابو نعیم نے اخبار اصبہان (۲/۱۱۳) میں بیان کئے ہیں اور ان دونوں نے ان پر کوئی جرح و تعدیل نہیں کی۔

اور محدثین کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے جن میں حافظ ابو الشیخ اصفہانی بھی شامل ہیں۔

اس حدیث کے راوی (الاعرج) کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا

جا سکتا ہے کہ وہ مستور ہیں لیکن اس کے باوجود ابن حبان کی شرط پر پورے اترتے ہیں اور اس قسم کے راوی کی حدیث کو جمہور محدثین قبول کر لیتے ہیں جب تک ایسا راوی اوثق (زیادہ ثقہ) راوی کی مخالفت نہ کرے یا زیادہ ضعیف ہو کر کم ضعیف کی مخالفت نہ کرے۔

حافظ ذہبی نے المیزان (۳/۲۶) میں فرمایا ہے: "کہ بخاری و مسلم کے راویوں کی ایک بڑی تعداد کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ کسی نے ان کی توثیق کی صراحت کی ہو اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص مشائخ میں سے ہو اور محدثین کی جماعت نے اس سے روایت کی ہو اور ایسی حدیث روایت نہ کی ہو جس کا انکار کیا گیا ہو ایسے شخص کی حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے المیزان (۲/۹۳) میں یہ بھی فرمایا ہے: "شیخ (اعرج) مستور الحال ہیں نہ ان کی توثیق کی گئی اور نہ ہی تضعیف" لہٰذا ان کی حدیث قابل قبول ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ اس حدیث کی سند قوی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے جیسا کہ القول البدیع (ص ۱۵۴) میں ہے اور ان کے شاگرد حافظ سخاوی نے بھی اس کو برقرار رکھا۔

اس حدیث کی ایک اور سند بھی تھی۔ جس میں ایک راوی محمد بن مروان اسدی الصغیر، متروک ہیں اور اسی آخری سند کو ابن تیمیہ نے ذکر کر کے اس حدیث کو الرَّد علی الاخنائیؒ (ص ۱۳۴) میں موضوع قرار دیدیا۔ ابن عبد الہادی پر چونکہ اس کی تقلید لازمی تھی لہٰذا اس نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا اور یہ بات گذر چکی کہ حق و صواب ان دونوں کے ساتھ نہیں۔

۳۔ وہ حدیث جسے حاکم نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا وہ سعید بن ابی سعید مقبری وہ عطاء مولیٰ ام حبیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرۃ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لیهبطنّ عیسی ابن مریم حکمًا عدلًا و امامًا مقسطًا و لیسلکنّ فجًا حاجًا او معتمرًا او بنیتهما و لیأتینّ قبری حتی یسلّم علیّ و لأردّن علیه

حضرت عیسیٰ عادل حکمران منصف امام بن کر تشریف لائیں گے اور وہ حج و عمرہ میں سے کسی ایک یا دونوں کی نیت سے سفر کریں گے اور میری قبر پر آئیں گے۔ وہ مجھے سلام کریں گے اور میں ضرور انہیں جواب دونگا۔

حاکم نے فرمایا اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن بخاری و مسلم نے اسے اس انداز میں روایت نہیں کیا اور ذہبی نے بھی اس تصحیح کو تسلیم کیا ہے۔

اس حدیث کی اور بھی سندیں ہیں لیکن ابوزرعہ نے العلل (نمبر ۲۷۴۷) میں اسی سند کو ترجیح دی ہے۔ یہاں محمد بن اسحاق کا سماع کی نشاندھی نہ کرنا نقصان دہ نہیں۔

۴۔ من زارنی فی مماتی کمن زارنی فی حیاتی و من زارنی حتی ینتهی الی قبری کنت له شهیدًا یوم القیامة

جس شخص نے ہماری وفات کے بعد ہماری زیارت کی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ہماری ظاہری زندگی میں ہماری زیارت کی، اور جو ہماری زیارت کے لئے ہمارے مزار اقدس تک پہنچا، ہم قیامت کے دن اس کے لئے سفارش کریں گے۔

عقیلی نے الضعفاء (۴۵۷/۳) میں اسے نقل کیا ہے اور فضالہ بن سعید بن زمیل مأربی اور ان کے شیخ محمد بن یحیی بن قیس مأربی کی وجہ سے اس حدیث کو

معلول قرار دیا ہے۔

عقیلی نے پہلے راوی کے بارے میں کہا ہے کہ: ان کی حدیث غیر معروف اور یہ صرف انہی سے مروی ہے۔

جبکہ دوسرے راوی محمد بن یحیی بن قیس کو دارقطنی نے سوالات البرقانی (ص ۴۶) اور ابن حبان نے (۴۵/۹) میں ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن ابن عدی نے اپنی کتاب الکامل (۲۲۳۹/۶) میں محمد بن یحیی پر تنقید میں زیادتی کی ہے۔ اور حافظ ذہبی نے ابن عدی کی تنقید کو اہمیت نہ دیتے ہوئے الکاشف (۹۵/۳) میں فرمایا ہے: وہ ثقہ ہیں:

یہ سند فضالہ بن سعید مأربی کی وجہ سے ضعیف ہے اور عقیلی کا کہنا ہے کہ یہ سند لین اور سب سے کم ضعف والی حدیث ہے۔

روضۂ رسول کی زیارت کے بارے میں اور بھی کئی حدیثیں موجود ہیں جنہیں میں نے "رفع المنارة" میں ذکر کیا ہے اور حافظ صلاح الدین کیکری علائی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی روضۂ رسول کی زیارت کے موضوع پر ایک رسالہ ہے۔ جس میں انہوں نے احادیث زیارت پر گفتگو فرمائی ہے۔

زیارتِ نبوی اور اجماع

قاضی عیاض اپنی تصنیف "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" (۲/۲۲) میں فرماتے ہیں: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت مسلمانوں کے اعمال میں سے ایسا عمل ہے جس پر اجماع ہے اور یہ ایسا فضیلت کا کام ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

اور انہوں نے دوسری جگہ (۲/۷۵) ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

الزیارۃ مباحۃ بین الناس و واجب شد المطی إلی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کی زیارت مباح ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس کی طرف سفر کرنا واجب ہے

امام نووی اور امام سبکی نے بھی سفر کے مستحب ہونے پر اجماع کی تصریح کی ہے۔
شوکانی نے "نیل الاوطار" (۲/۱۱۰) میں کہا: کہ جس نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جائز قرار دیا اس نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے، مختلف مذاہب اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کا دستور رہا ہے کہ زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ منورہ پہنچتے تھے۔ اس پر سب

کا اجماع تھا اور مسلمان اس اجماع کو افضل اعمال میں سے شمار کرتے تھے۔

نامور محقق ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی نے "ابراز الغی الواقع فی شفاء العی" میں لکھا ہے:

"روضۂ اقدس کی زیارت کے بارے میں امت کے علماء اور ائمہ میں سے ابن تیمیہ کے زمانے تک کسی نے عدم جواز کا فتوٰی نہیں دیا، بلکہ سب نے بالاتفاق افضل ترین عبادتوں اور بلند ترین اطاعتوں میں سے شمار کیا ہے۔ اسلاف نے اس بات میں ضرور اختلاف کیا ہے کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مستحب ہے یا واجب۔ بہت سے علماء نے فرمایا کہ مستحب ہے۔ جبکہ بعض مالکیوں اور اہل ظاہر نے روضۂ رسول کی زیارت کو واجب قرار دیا ہے۔ اکثر حنفیوں نے فرمایا: کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت واجب کے قریب ہے۔ اور حنفیوں کے ہاں جو چیز واجب کے قریب ہے وہ واجب کے حکم میں ہے۔ سب سے پہلے جس نے اجماع کی دھجیاں اڑائیں اور ایسی بات کہی جو اس سے پہلے کسی ذی علم نے نہیں کہی۔ وہ ابن تیمیہ ہے"۔

روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے سامان سفر باندھنے کے مسئلے پر نہ صرف اعلیٰ مرتبہ کا اجماع ہے۔ بلکہ اس پر علماء کی بہت زیادہ جماعتوں نے اعتماد کیا ہے۔ اور اس اجماع کو امت نے نسل در نسل نقل کیا ہے۔ یہ کہنا کہ عالم اسلام کے مسلمان روضۂ اقدس کی نہیں صرف مسجد نبوی کی نیت کرتے تھے قطعاً باطل اور مضحکہ خیز ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ مسلمان اتنا بڑا ثواب کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ مسلمانوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو سفر کی مشقت میں ڈالا اور مال صرف کیا۔ تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ کیا آپ کو پتہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ کیا یہ سب کچھ مسجد

نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے ہے ؛ جس کا ثواب مسجد حرام کی نماز کا سوواں حصہ ہے ۔ ہرگز نہیں ! مسلمانوں نے تو ایک ہی غرض سے سفر کیا اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ میں حاضری روضۂ اقدس کی زیارت ، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے والی جگہ ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے لگنے والی چیزوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی کی سعادت حاصل کرنے والے زمین کے ٹکڑوں کی زیارت کرتے ہوئے برکت حاصل کریں ۔

حدیث "لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ" کا صحیح مفہوم

ابن تیمیہ نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے اور کھلم کھلا کہا ہے کہ "یہ سفر گناہ ہے اور اس سفر میں نماز قصر نہیں کی جائے گی ۔

علماء نے بڑی کثرت سے ابنِ تیمیہ کی اس بات کا رد کیا ہے ۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری (۳ ،۶۶) میں فرماتے ہیں ۔ یہ مسئلہ ابنِ تیمیہ سے منقول مسائل میں سے مکروہ ترین مسئلہ ہے ۔ اور اسی طرح حافظ ابو زرعہ عراقی نے بھی ۔ "الاجوبة المكّية" اور "طرح التثريب" (۶/۴۳) میں ابن تیمیہ کا رد کیا ہے ۔

اس موضوع میں ابنِ تیمیہ کی معتمد ترین دلیل یہ حدیث ہے ۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاثه مساجد ، المسجد الحرام و المسجد الاقصٰی ومسجدی هـذا.

تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سامانِ سفر نہیں باندھا جائیگا مسجد حرام ، مسجد اقصیٰ اور ہماری یہ مسجد ۔

ابن تیمیہ کا اپنے موقف پر مذکورہ حدیث سے استدلال کرنا محلِ نظر ہے ۔ کیونکہ یہ حدیث ابنِ تیمیہ کے موقف پر ہرگز دال نہیں ، کسی اور بات پر دلالت کر رہی ہے ۔ اس کا جواب متعدد وجوہ سے ہے ۔

دوسری وجہ

امام سبکی فرماتے ہیں: سفر دو طرح کا ہے، ایک وہ جس کا باعث ہو مثلاً علم کی جستجو اور والدین کی زیارت اور اس جیسے دیگر سفر ہیں۔ یہ سفر بالاتفاق جائز ہیں۔ دوسرا وہ سفر ہے جس کا مقصد کسی خاص مقام پر جانا ہے۔ جیسے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ یا بیت المقدس کا سفر۔ حدیث ان سب پر مشتمل ہے۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے والا اس حدیث میں داخل نہیں کیونکہ اس نے کسی قطعۂ ارضی کی تعظیم کی نیت سے سفر نہیں کیا بلکہ اس ہستی کی زیارت کی نیت سے سفر کیا جو اس سرزمین میں محو استراحت ہیں، تو یہ سفر حدیث میں قطعاً داخل نہیں بلکہ غور سے دیکھیں تو یہ صورت پہلی قسم میں داخل ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۲۱)

تیسری وجہ

حدیث میں مذکورہ ممانعت تحریم کے لئے نہیں، اور ان تین مسجدوں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ زیادہ فضیلت والی ہیں۔ کیونکہ یہ انبیاء کی مسجدیں ہیں۔

جس شخص نے ان تین مسجدوں کے علاوہ زیارت کی نذر مانی کیا اس پر نذر پوری کرنا لازم ہے یا نہیں؟

علامہ خطابی نے فرمایا: یہ حدیث (لا تشد الرحال) نذر کے بارے میں ہے۔ کوئی انسان یہ نذر مانتا ہے کہ وہ کسی (خاص) مسجد میں نماز پڑھے گا، اگر چاہے تو اس مسجد میں پڑھ لے اور اگر چاہے تو کسی اور مسجد میں پڑھ لے۔ لیکن اگر ان تین مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اسی مسجد میں نذر پوری کرنا لازم ہوگا۔ (معالم السنن ۲/۴۴۳)

امام نووی نے شرح مسلم (۹/۱۰۶) اور علامہ ابن بطال نے اسی بات کی تائید کی ہے، اور حنبلیوں کے امام ابن قدامہ نے بھی المغنی (۲/۱۰۳، ۱۰۴) میں یہی فرمایا ہے۔

حدیث (لا تشد الرحال) میں مذکور ممانعت، حرمت پر دلالت نہیں کرتی۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ وہ روایت جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہے اور اس کے راوی مسلم کے راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (خیر ما رکبت الیہ الرواحل الخ) اسے امام احمد (۳/۳۳۶) اور بزار نے کشف الاستار (۲/۴) اور طحاوی نے مشکل الآثار میں نقل کیا ہے۔

۲۔ شیخ عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ (۱/۴۲) میں صحیح سند اور ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت سعد بن وقاص سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لو یعلمون ما فی قباء لضربوا الیہ اکباد الإبل۔	اگر لوگ جانتے کہ مسجد قبا میں کیا فضیلتیں ہیں تو اس کے لئے اونٹوں کے جگر پگھلا دیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا: "اس کی سند صحیح ہے۔"

ابن ابی شیبہ نے مصنف (۲/۳۷۳) میں، اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف (۵/۱۳۳) میں اور عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ (۱/۴۹) میں حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے۔

لو کان مسجد قباءَ فی افق من الآفاق لضربنا الیہ اکباد المطیّ۔	اگر مسجد قباء زمین کے کسی کنارے پر ہوتی تو ہم اس کی خاطر اپنی سواریوں کے جگر پگھلا دیتے۔

اس کی سند حسن ہے۔

۲۔ امام احمد نے مسند (۳۹۷/۶) میں مرثد بن عبداللہ یزنی کی حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد طور میں نوافل کی نیت سے جا رہے تھے۔ میں ان سے ملا اور کہا کہ اگر میں آپ کو سفر سے پہلے ملتا تو آپ سفر نہ کرتے۔ انہوں نے پوچھا کیوں! تو میں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: "تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سامانِ سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور یہ ہماری مسجد"

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو بصرہ سے ملے اور حضرت ابو بصرہ نے ان کو حدیث سنائی لیکن حضرت ابو ہریرہ اس حدیث کو سن کر بھی سفر سے واپس نہیں ہوئے، اگر حضرت ابو ہریرہ اس حدیث سے حرمت کا مفہوم درست سمجھتے تو واپس ہو جاتے بلکہ گھر سے ہی نہ نکلتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا حالانکہ وہ خود اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ ان کا گھر سے نکلنا اور حدیث شریف سن کر بھی، واپس نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک، حدیث شریف میں مذکور نہی تحریم کے لئے نہیں ہے۔

صحابہ کرام کے فہم کے بعد کس حجت، کس برہان، اور کس دلیل کی ضرورت ہے؟

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دعاء

روضۂ رسول کے قریب دعا اسلاف کی سنّت ہے جس پر بعد والے علماء بھی عمل پیرا ہیں۔

امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنّف (۵۵۷/۴) میں فرمایا کہ زید بن حباب کو ابو مودودہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے یزید بن عبدالملک ابن قسیط نے بیان کیا:

رایت نفراً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خلا لہم المسجد قاموا الی رمانۃ المنبر فمسحوھا و دعوا۔ قال: ورایت یزید یفعل ذلک

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام کو دیکھا کہ جب ان کے لئے مسجد خالی ہو جاتی تو منبر کے لٹو کے پاس کھڑے ہوتے اسے چھوتے اور دعا کرتے۔ ابو مودودہ کہتے ہیں کہ میں نے یزید بن عبدالملک کو بھی اسی طرح کرتے دیکھا

شفا شریف میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

کان یرفع یدیہ عند القبر

روضۂ رسول کے قریب (دعا کے لئے) ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(نسیم الریاض ۵۱۷/۲)

امام نووی کی تصنیف "روس المسائل" میں ہے کہ حافظ ابو موسیٰ اصفہانی نے بھی امام مالک سے اسی طرح کی روایت ذکر کی ہے۔

متقدمین مالکیوں میں سے ابن حبیب نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

علامہ آجری "الشریعہ" میں بیان فرماتے ہیں کہ ابراہیم حربی نے مناسک حج میں فرمایا "کعبہ شریف کی طرف پشت کر کے روضہ شریف کے درمیانی حصہ کی طرف رُخ کریں۔ یہاں انہوں نے سلام اور دعاء کا بھی ذکر کیا ہے۔ امام ابراہیم حربی ائمہ اسلاف میں سے کئی فنون کے ماہر اور بہت سی تصانیف والی شخصیت ہیں۔ انہوں نے ۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔ اس کے علاوہ فقہ کی کتابوں میں حج کے ابواب اور مناسکِ حج کے بارے میں لکھی گئی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ سب کے سب روضۂ رسول کی زیارت کے وقت دعاء کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام السلمی فرماتے ہیں:

اذا اردت صلاة فلا تجعلن حجرته وراء ظهرك ولا بين يديك وتأدب معه بعد وفاته ادبك معه في حياته لو ادركتها فان لم تفعل فانصرافك خير من مقامك۔	اگر تمہیں روضۂ رسول کی حاضری نصیب ہو اور تم نماز پڑھنا چاہو تو روضۂ رسول کو پس پشت نہ رکھنا اور نہ ہی اپنے سامنے بلکہ اس طرح باادب رہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (ظاہری) زندگی میں تمہیں حاضری کی سعادت ملتی تو تم ادب سے رہتے۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو تمہارا واپس ہو جانا حاضر رہنے سے بہتر ہو گا۔

کتاب الفنون کے مصنف ابوالوفا ابن عقیل حنبلی اور ابو محمد ابن قدامہ نے (مغنی

۳/ ۵۹۰) میں روضہ شریف کی طرف رخ کرنے کی تصریح کی ہے، اور المغنی حنبلیوں کی مقبول ترین کتابوں میں سے ہے (الایضاح ۵۱۹)

امام تقی الدین سبکی نے شفاء السقام (ص ۱۵۲) میں فرمایا ہے کہ مالکی اور حنبلی علماء کی اکثریت نے سلام اور دعا کے وقت روضہ شریف کی طرف رخ کرنے کو درست قرار دیا ہے۔ امام خفاجی نے بھی شرح شفاء (۳/ ۵۱۷) میں اس بات کی تائید کی ہے۔

امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے روضۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے اپنی ضروریات کا سوال عرض کرو۔ اللہ کریم کی طرف سے ہر حاجت پوری ہو گی۔ ابن تیمیہ کی "الرد علی الاخنائی" (ص ۱۶۸) میں اسی طرح ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے روضۂ رسول کے قریب دعا کے بارے میں ایک گروہ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں کئی صحابہ، امام مالک، امام ابوحنیفہ، اور امام انس بن مالک کے اسمائے گرامی بھی مذکور ہیں، اور مذکورہ کتاب (۱۶۸-۱۶۹) میں روضۂ رسول کے سامنے میں دعا کے حوالے سے کئی دیگر اسلاف کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

ابوبکر اثرم فرماتے ہیں "میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کیا روضۂ رسول کو چھونا اور اس پر ہاتھ پھیرنا درست ہے؟ تو انہوں نے فرمایا یہ بات میرے علم میں نہیں ہے۔ میں نے عرض کی منبر شریف کو چھونا اور اس پر ہاتھ پھیرنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں منبر کے بارے میں روایت آئی ہے۔ ابو عبداللہ نے فرمایا: "یہ ایسی بات ہے جسے علماء ابن ابی فدیک سے وہ ابن ابی ذئب سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ منبر کو چھوتے تھے۔" اور انہوں نے فرمایا: محدثین اس بات کو سعید بن مسیب سے منبر شریف کے لٹو کے بارے میں بھی روایت کرتے ہیں، میں

(ابوبکر اثرم) نے ان سے عرض کی۔ اسی بات کو محدثین یحییٰ بن سعید سے بھی روایت کرتے ہیں کہ وہ عراق جانے کا ارادہ رکھتے تھے، تو وہ منبر رسول کے پاس آئے اور محبت سے اسے ہاتھ لگایا اور دعا بھی کی۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ منبرِ رسول کو ہاتھ لگانے اور اس کے قریب دعا مانگنے کو درست سمجھتے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ شاید لوگ ضرورت اور مصیبت کے وقت ایسا کرتے ہوں گے[1]۔

حضرت ابوعبداللہ سے عرض کی گئی کہ کچھ لوگ روضۂ رسول کی دیوار کے ساتھ پیٹ لگائے ہوتے ہیں۔ اور میں نے ان سے گذارش کی، کیا آپ نے اہل مدینہ کو ملاحظہ فرمایا؟ کیا وہ اس کے قائل نہیں تھے؟ اور وہ لوگ ایک طرف کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: "ہاں ابن عمر اس طرح سلام پیش کرتے تھے۔"

پھر ابوعبداللہ نے یہ کلمات کہے۔ میرے ماں باپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتِ کاملہ اور بکثرت سلام بھیجے۔

(الرد علی الاخنائی ص ۱۶۹)

فائدہ

حافظ ذہبی کی معجم الشیوخ (۱/۷۳، ۲۲۲) میں عبید اللہ سے روایت ہے وہ نافع سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ "کہ وہ روضۂ رسول کو چھونا ناپسند جانتے تھے۔

---

[1] الرد علی الاخنائی ۱۶۹ میں اسی طرح مکتوب ہے اور شاید درست الفاظ اس طرح ہیں: "نقصان یا سفر کے وقت"۔ اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر علم والا ہے۔

میں کہتا ہوں وہ اسے ناپسند خلافِ ادب ہونے کی وجہ سے جانتے تھے۔

امام احمد بن حنبل سے روضۂ رسول کو چھونے اور چومنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اسے بے ادبی نہیں قرار دیا، اور اس کام میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ بات ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کرام نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تو گذارش ہے کہ انہوں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں زیارت اور دست بوسی کی سعادت حاصل کی اور ان پر ایمان لائے۔ کئی دفعہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کے لئے لڑائی کے قریب تک جا پہنچے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک حج اکبر کے دن آپس میں بانٹ لئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن اور نخام شریف کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں واقع ہوتا تھا۔ جسے وہ اپنے چہرے پر مل لیتے تھے جب ہمیں ایسا وافر حصہ عطا نہیں ہوا تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف سے لپٹ جانے، اسے چھونے اور بوسہ دینے کو ہی غنیمت جانا، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ثابت البنانی نے کیا کیا؟ وہ حضرت انس بن مالک کا ہاتھ چوم کر ہاتھوں سے لگایا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو مس کیا ہے۔

مسلمانوں کے دلوں میں ان باتوں کا محرک صرف اور صرف محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وافر جذبہ ہے۔ کیونکہ مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنی جان مال اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے بلکہ جنت اور اس کی نعمتوں سے بھی زیادہ بڑھ کر محبت کرے۔ کچھ اہل ایمان ایسے بھی ہیں جو خلیفۂ رسول (حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کے ساتھ بھی اپنی جانوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

حضرت جندار کے بارے میں مروی ہے کہ وہ کوہِ لقا میں تھے، وہاں ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی۔ آپ نے گستاخانہ کلمات سنتے ہی تلوار نکالی اور اس بدبخت کا سر قلم کر دیا۔ اگر اس سیہ بخت نے آپ کو یا آپ کے والد کو گالی دی ہوتی تو آپ اس کا خون بہانا ہرگز درست نہ سمجھتے۔

قارئین کرام! کیا آپ نہیں جانتے کہ صحابہ کرام نے اپنے دلوں میں جوش مارتے ہوئے، محبتِ رسول کے جذبہ کی وجہ سے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دل چاہتا ہے ہم آپ کو سجدہ کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سجدۂ تعظیمی کی اجازت فرما دیتے تو صحابہ کرام، سجدۂ عبادت نہیں بلکہ سجدۂ تعظیمی کر دیتے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کو سجدۂ تعظیمی کا بھی یہی حکم ہے۔ ایسا مسلمان گنہگار ہوگا۔ کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ بات یاد رہے کہ سجدۂ تعظیمی ممنوع ہے اور اسی طرح روضہ رسول کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا بھی منع ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس کے پاس دعا کے بارے میں اسلاف اور بعد والے علماء کے اقوال سامنے آگئے تو قارئین کو ان دلائل کے خلاف جو بات بھی نظر آئے، اسے دیوار پر ماریں۔ ایسی باتیں کرنے والا سلف صالحین کا مخالف ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

شیخ صالح فوزان

اسلاف کے مخالفین میں سے ہی صالح فوزان بھی ہے۔ جس نے (اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھنے کے ساتھ ساتھ) قبر شریف کے قریب دعا کو بہت بڑی خطاء قرار دیا

ہے۔ اس نے صرف سلف صالحین کی مخالفت پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ روضہ شریف کے قریب دعاء کو عظیم خطا قرار دیا ہے۔ پھر اس نے منسک (ص ۵۲) پر لکھا ہے۔

"اگرچہ دعا کرنے والا صرف اللہ کو پکارتا ہو، اس لیئے کہ یہ (روضۂ رسول کے قریب دعا) بدعت ہے اور شرک کا ذریعہ ہے سلف صالحین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد، روضۂ اقدس کے قریب دعا نہیں کرتے تھے۔"

میں (محمود سعید ممدوح) کہتا ہوں، اگر فوزان جیسا آدمی چپ ہی رہتا تو بہتر ہوتا۔ ایسے کتا بچے کتنے ہی لوگوں میں فتنہ انگیزی کرتے ہیں اور لوگوں کو بدعات، سلف صالحین کے خلاف زبان درازی، ائمہ فقہ کی مخالفت اور مسلمانوں پر الزام تراشی پر ابھارتے ہیں۔

فوزان اور اس جیسے لوگوں کا خیال ہے کہ ان کا تقویٰ صرف یہی ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق مسلمانوں کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے روکیں، کبھی کہتے ہیں: "حج اور روضۂ رسول کی زیارت کا کوئی باہمی ربط نہیں، کبھی کہتے ہیں کہ "روضۂ رسول کی زیارت ضروری نہیں"۔

اہل علم نے تو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ترغیب دی ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ سعادت افضل ترین مستحبات میں سے ہے، اور ایسے نیک کاموں میں سے ہے جن کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ ہاں اسلاف میں اس بات پر اختلاف ضرور ہوا کہ روضۂ رسول کی زیارت واجب ہے یا صرف مستحب۔

روضۂ رسول کے زائر کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر (اس یقین کے ساتھ) حاضر ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اور اس کے سلام کو سن کر اس کا جواب بھی دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی اور خصوصیات بھی ہیں، جو کسی دوسرے کی قبر میں نہیں ہیں۔

حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس کے وسیلے سے بارش کی دعا کی۔ (سنن دارمی ۱/۷۲)۔

امام دارمی (سنن دارمی ۱/۴۴) میں " باب ما اکرم اللہ نبیہٗ بعد موتہٖ" (اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے وصال کے بعد جو اعزاز عطا فرمایا)۔ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں: ہمیں مروان بن محمد نے سعید بن عبدالعزیز سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں:

لمّا کان ایام الحَرّۃ ولم یُؤذَّن فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثاً ولم یقم ولم یبرح سعید بن المسیّب من المسجد فکان لا یعرف وقت الصلوٰۃ الا بھمھمۃٍ یسمعھا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر معناہ۔	واقعہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی شریف میں تین دن نہ تو اذان ہوئی اور نہ ہی اقامت کہی گئی۔ (ان دنوں میں)، حضرت سعید بن مسیب مسجد میں مقیم رہے۔ آپ کو نمازوں کے اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے آنے والی آواز سے ہی پتہ چلتے تھے۔

ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم (ص ۳۷۳) میں لکھا ہے: سعید بن مسیب واقعہ حرہؔ کے دنوں میں، قبر شریف سے اذان کی آواز سنا کرتے تھے۔

مروان بن محمد ثقہ ہیں اور سعید بن عبدالعزیز بھی ثقہ امام ہیں۔ اگرچہ بعض لوگوں کی رائے ہیں۔ وفات سے پہلے آپ کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ آپ کے سامنے تصدیق کے لئے حدیث پیش کی جاتی تو آپ تصدیق فرمانے سے انکار کر دیتے
(سؤالات الآجری ۲/۲۰۴)

یہ بات حضرت سعید بن عبدالعزیز کی احتیاط، اور حافظہ کمزور ہونے کے بعد حدیث بیان نہ کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

شیخ فوزان کا یہ کہنا کہ اسلاف قبر کے پاس دعا نہیں کرتے تھے اسلاف پر الزام وتہمت ہے۔

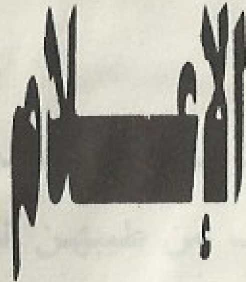
پھر فوزان کو "بدعت، شرک، وسیلۂ شرک" جیسے امراض لاحق ہیں۔ اس نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دعا کو یہ کہتے ہوئے بدعت اور وسیلۂ شرک قرار دیا ہے کہ (اگرچہ دعا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتا ہو) اس طرح فوزان نے امت کے اسلاف اور اخلاف پر بڑی جسارتیں کی ہیں۔ اور اس نے یہ بات واضح کر دی کہ وہ سلف صالحین میں سے نہیں ہے بلکہ ان کا مخالف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی "اے اللہ میری قبر کو ایسا بت بننے سے محفوظ رکھنا جس کی پوجا کی جائے"۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہوئی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ شریف پرستش اور شرک سے محفوظ ہے۔ اور امت کے مختلف فقہی مذاہب اور مختلف علاقوں کے لوگ نسل در نسل روضۂ رسول کے قریب دعا کرتے آرہے ہیں۔

ہم بدعت، اس کے اسباب، بدعتیوں اور ان کے توہمات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آغاز واختتام میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف اور حمد وثنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجے اور برکتیں نازل فرمائے اور حضور کی اولاد واصحاب پر بھی جو تاریکیوں میں روشن چراغ ہیں۔

محمود سعید ممدوح
غفر اللہ لہٗ!

بحمد اللہ یہ ترجمہ ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ ۲- دسمبر ۱۹۹۴ء بروز
جمعۃ المبارک اختتام پذیر ہوا۔



باستحباب شد الرحل لزيارة قبر خير الانـــام عليه الصلاة والسلام

قـدم لــه

فضيلة الشيخ عيسى بن عبدالله بن مانع الحميري
مدير عام دائرة الأوقاف والشؤون الاسلامية - دبي

بقلـــم

محمود سعيد ممدوح

يا خير من دفنت بالقاع أعظمه
فطاب من طيبهن القاع والأكم
نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم



بسم الله الرحمن الرحيم

تقديم

فضيلة الشيخ عيسى بن عبدالله بن مانع الحميري

الحمد لله رب العالمين. حمداً يوافي نعمه ويكافىء مزيده، هو الذي بعث رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله.

هذا النبي العظيم منة رب العالمين على جميع المسلمين حينما جعل مثواه في بقعة من الارض شرفت وتقدست وتكرمت به، وحازت في قلوب المؤمنين شرفا وقدرا.

فإنه تكريم من المولى سبحانه لامة الاسلام بتفردها بهذه المنقبة. إذ كل قبر لرسول أو نبي لا يجزم بصحة وجوده كما يجزم بصحة قبر رسول الله ﷺ، وما نره إلا تشريعا لهذه الامة بان تكون على اتصال دائم ورحم متواصل لا ينقطع حتى يرث الله الارض ومن عليها.

فأي مانع وأي حائل عن شد الرحل لزيارته ﷺ وهو القائل في حديثي شد الرحل و«مسجدي» ونسبة المسجد إليه دليل على أن فضل المسجد من جواره. كما أن المسجد الحرام شرف به وبالأنبياء قبله عليهم السلام. وبأن تربته منه ففاز الحرم بزيادة الاجر عما سواه.

ثم تشرف المسجد الاقصى وهو أولى القبلتين به وبالأنبياء قبله عليهم الصلاة والسلام. وكان الأجدر أن يكون المسجد الاقصى أولى بالفضل من المسجد النبوي لولا أن مثوى النبي ﷺ

فيه. فسبحانه القائل ﴿ذلك ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب﴾ علما بأن شد الرحل إلى مثواه قد ثبتت فيه أحاديث منها قوله ﷺ «كنت قد نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها... الحديث» ولم يقل إلا قبور الأنبياء.

وأما عن حديث شد الرحل فهو خاص بالمساجد لأن المستثنى منه محذوف والأستثناء مفرغ وتفسره رواية أحمد «لا تحمل المطي إلى مسجد تبتغي فيه الصلاة إلا إلى ثلاثة مساجد» أما من احتج بالحديث على المنع مطلقاً فقد تحكم بغير موضعه.

فعلى المانع أن يرعوي ويتقي الله من التقليد الأعمى الذي لا يؤدي إلى خير.

فالحكمة ضالة المؤمن أينما وجدها التقطها، والمسلم أخو المسلم لا يسلمه ولا يظلمه والدين قوي، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه فأوغلوا فيه برفق، ودين الأسلام سهل التسجي لا يقبل التحيز والعنصرية ولا يرضى بالتشدد والانتهازية.

إن حقيقة الأسلام تستهجن السطحية في الرأي وتنبذ تطبيقها في الواقع لانها غير محصنة من هجوم الأراء أو وجهات النظر الاخرى هنا وهناك.

لذا ينبغي على الكيس الحذر أن يكون متفطنا ذكي الالتقاط، لا يكون أمعة يخدع بدعاة الفتنة الذين انطلقوا هنا وهناك يلبسون الحق بالباطل وهذا ليس من خلق المسلم ولا من سيرة السلف الصالح.

وهذه رسالة جليلة للمحدث الفاضل محمود سعيد ممدوح جزاه الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء بما ينافح عن السنة

المطهرة أسماها **(الإعلام باستحباب شد الرحل لزيارة قبر خير الأنام عليه أفضل الصلاة والسلام).**

جمع فيها خلاصة ما قيل في هذا المقام وأدلى بدلوه ليرضي حبيبه رسول الله ﷺ ويشفي بها قلوب قوم مؤمنين، ويهدي بها قلوب المنكرين والمكابرين بالحجة الدامغة والبراهين الساطعة.

والله أسأل أن ينفع بها المسلمين، ويرأب بها الصدع، ويجمع بها الشمل، إن ربي سميع الدعاء.

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

وكتب عيسى بن عبدالله بن مانع الحميري

مدير عام دائرة الأوقاف والشؤون الأسلامية ـ دبي.

بسم الله الرحمن الرحيم

تقريظ العلامة

الشيخ سيدي محمد بن عمر السالك الشنقيطي

رئيس لجنة الفتوى بدائرة الأوقاف ـ دبي

الحمد لله الذي جعل العلم رحماً بين أهله يجمعهم على كلمة الحق، والصلاة والسلام على أشرف الخلق، سيدنا محمد الذي لا تزال طائفة من أمته ظاهرين على الحق. وبعد

فقد أراني أخونا الفاضل الشيخ محمود سعيد ممدوح رسالة أسماها (الإعلام باستحباب شد الرحل لزيارة قبر خير الأنام عليه أفضل الصلاة والسلام).

فإذا هي أسم طابق مسماه.

وقد سبقه أعلام في هذا المضمار لا سيما تقي الدين السبكي شيخ الإسلام وغيره من علماء الإسلام فلهم الفضل، وقد جاءت رسالته مطابقة لروح العصر.

ورسالة الإعلام المذكورة يحملها الزمان إلى الأبناء وأبناء الأبناء، كما نبهت وأرشدت الآباء، وقد كنا قبلها نرى السراب شرابا، ونسمع الخطأ صوابا، إذ أنه قد حارت السنة في هذه الأوان حتى أصبحت لا تميز صديقها من عدوها ولا محبيها من مصميها، ولقد صدق من قال أحذر عدوك مرة، وأحذر صديقك الف مرة.

وقال الشاعر:

اسمع نصيحة ناصح　　　جمع النصيحة والمقة
إياك واحذر أن تكو　　　ن من الثقات على الثقة

فعسى الله أن يوفقه لمثل هذه الرسالة النافعة، وأن يوفقنا وإياه وأن يسدد خطانا وخطاه لأحياء سنة رسول الله ﷺ وأن يجمع كلمة المسلمين على ذلك.

وكتب الشيخ سيدي محمد بن عمر السالك الشنقيطي

٢٥/القعدة سنة ١٤١٤

بسم الله الرحمن الرحيم

المقـــــدمة

الحمد لله الواحد الأحد، الفرد الصمد، الذي لم يلد، ولم يولد، ولم يكن لـه كفواً أحـد، هـو الحي الباقـي الرزاق المعطي النـافع الضار، المهيمن العـزيز الغفـار، لا شريك له في ملكـه والكل مفتقر إليه.

والصلاة والسـلام الأتمان الأكملان على سيدنـا محمد وعلى آله وأصحابـه صاحب الكمالات والخصوصيات المنزل عليـه قوله تعالى ﴿لقد جاءكم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بـالمؤمنين رؤوف رحيم﴾ صلى اللـه وسلم وبـارك عليـه وزاده فضلا وشرفا لديه وبعد.

فإن المناسك المصنفة في عصرنا قـد كثرت، والإرشادات فيها قـد تنوعـت، وقد رأيت في أكثرهـا فوائد غير أن بعضهـا خـالف صريح القرآن والثابت في سنة سيد ولد عدنان عليه أفضل الصلاة وأتم السلام، وخـالف ما اجتمعت عليـه الأمة، ودونـه الأئمة من استحباب السفر لـزيارة خير البرية والوقوف بين يـديه صلى الله عليـه وسلم، وهـو حـي في قبره (كما في الأحـاديث الصحيحـة)، ومشاهدة روضته البهية والتبرك بملامسه الشريفة.

وقد تضافرت النقول عن السلف والخلف بالحض على ذلك، وأطبق الأكابر عليها قولاً وعملاً.

وقد تزيَّد المخالفون وقالوا : إن الزيارة غير واجبة، وما هكذا عبر الفقهـاء الأعلام بل عبروا بأن الـزيـارة من أشرف القربـات، وآكد المندوبات، وأنجح المساعي.

ووجدنا من المخالفين من يقول : إن السفر لزيارة سيد الانام عليه افضل الصلاة والسلام سفـر معصية لا تقصر فيه الصلاة، كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا، وطلبوا تجريد النية لزيارة المسجد النبوي فقط.

وقـد عمت البلوى واختلط الخطأ بـالصواب وافتتن العـوام فإلى الله المشتكى.

وهل شرفت المدينة إلا بالحبيب المصطفى صلى الله عليه وآله وسلم.

وقد تتابع السلف والخلف جيلا بعـد جيل وطبقة بعد طبقة مع اختـلاف البلاد والمذاهب على شـد الرحـال لزيارتـه ﷺ عقب المناسك أو قبلها.

وقـد صـح أنه ﷺ قال : صـلاة في مسجدي هـذا أفضل من ألف صـلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام، وصـلاة في ذاك أفضل من مائة صلاة في هذا. أخرجه البخاري ومسلم وغيرهما.

فاللبيب يسأل لماذا ترك هؤلاء ثواب المائة ألف؟ أمن أجل ألف ؟

كلا والله ما هم بهذه البلاهة.

إنهم بذلوا النفس والنفيس وتركوا ثواب المسجد الحرام من أجل زيارة خير الأنـام عليه أفضل الصلاة والسـلام. فإذا قارنت بين المائة ألف والألف عرفت كيف عظمت الأمة نبيها

وهذه رسـالة صغيرة في مبناهـا كبيرة في معناهـا كتبتها على عجل تذكرة لإخواني وسميتها

[الإعلام باستحباب شد الرحل لزيارة قبر خير الأنام عليه الصلاة والسلام].

أسأل الله تعالى أن يتقبلها بقبول حسن، وأن يوفقنا لدوام زيارة خير الأنام عليه أفضل الصلاة وأتم السلام، وأن يجعلنا من المتمسكين بسنته وأن يحشرنا تحت لوائه، إن ربي سميع الدعاء والحمد لله في البدء والختام.

وكتب

محمود سعيد ممدوح

الدليل على استحباب السفر لزيارة القبر النبوي الشريف

إنَّ شد الرحال أي السفر لزيارة القبر النبوي الشريف من آكد المندوبات، وهو قريب من الوجوب عند بعض العلماء بل واجب عند الظاهرية وكثير من المالكية والحنفية.

* قال الإمام ـ المجمع على علمه وفضله ـ أبو زكريا النووي رحمه الله تعالى : واعلم أن زيارة قبر النبي ﷺ من أهم القربات وانجح المساعي فإذا انصرف الحجاج والمعتمرون من مكة استحب لهم استحباباً مؤكداً أن يتوجهوا إلى المدينة لزيارته ﷺ وينوي الزائر من الزيارة التقرب وشد الرحل والصلاة فيه. (المجموع ٨/ ٢٠٤)

وعلى هذا درج سائر الفقهاء في المذاهب رحمهم الله تعالى وبمثله قال إمام الحنابلة أبو محمد بن قدامة الحنبلي في المغنى ٥٨٨/٣.

وقال أيضاً في المقنع [وإذا فرغ من الحج استحب له زيارة قبر النبي ﷺ وقبر صاحبيه] وعلق عليه المرداوي بقوله : وهذا المذهب، وعليه الأصحاب قاطبة. انتهى من الإنصاف (٤/ ٥٣).

وفيما ذكرت كفاية لمن كان من أهل العناية، وسلم لأولى الفقه والدراية.

أما من رغب في معرفة الدليل، فإنهم استدلوا على مطلوبهم بالكتاب والسنة والإجماع.

أولاً ـ الدليل من الكتاب.

قال الله تعالى ﴿ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيما﴾

هذه الآية الشريفة دالة على طلب المجيء إليه ﷺ في جميع الحالات لوقوع الفعل (جاءوك) في حيز الشرط الذي يدل على العموم.

وأعلى صيغ العموم ما وقع في سياق الشرط كما في إرشاد الفحول (ص١٢٢).

وقد فهم المفسرون من الآية هذا العموم، ولذلك تراهم يذكرون قصة العتبي الذي جاء للقبر الشريف وتلا هذه الآية وهي قصة مشهورة.

فالآية دلت على تعليق وجدان الله تعالى تواباً رحيماً بثلاثة أمور المجيء، والاستغفار، واستغفار الرسول ﷺ لهم.

وقد حصل استغفار الرسول ﷺ لجميع المؤمنين قال تعالى : ﴿واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾ آية ١٩سورة محمد.

★ ★ ★

وقد اعترض محمد بن صالح العثيمين على الاستدلال بالآية فقال في كتابه (فتاوي مهمة لعموم الأمة ٣/ ١٠٠) :

(إذ) هذه ظرف لما مضى وليست ظرفاً للمستقبل لم يقل الله: ولو أنهم إذا ظلموا بل قال . «إذ ظلموا» فالآية تتحدث عن أمر وقع في حياة رسول ﷺ. واستغفار الرسول ﷺ بعد مماته أمر متعذر لأنه إذا مات انقطع عمله إلا من ثلاث. كما قال الرسول ﷺ

صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له. فلا يمكن للإنسان بعد موته أن يستغفر لأحد بل ولا يستغفر لنفسه أيضا لأن العمل انقطع. انتهى.

قلت: هذا إقدام من العثيمين نسأل الله العافية.

وإليك تفنيده بالآتي :

أما قصره (إذ) على الزمن الماضي فقط ففيه نظر لأن (إذ) كما تستعمل في الماضي فتستعمل ايضاً في المستقبل، ولها معان أخرى ذكرها ابن هشام في مغنى اللبيب (١/ ٨٠ ـ ٨٣).

وقد نصَّ على ان (إذ) تستعمل للمستقبل : الأزهري فقال في تهذيب اللغة (١٥/ ٤٧):

العرب تضع (إذ) للمستقبل و(إذا) للماضي قال الله عز وجل ﴿ولو ترى (إذ) فزعوا﴾ [سبأ آية رقم٥١].

قلت : ومن استعمال إذ للمستقبل قوله تعالى : ﴿ولو ترى إذ وقفوا على النار﴾ [الأنعام آية ٢٧].

﴿ولو ترى إذ وقفوا على ربهم﴾ [الأنعام ٣٠].

﴿ولو ترى إذ الظالمون في غمرات الموت﴾ [الأنعام ٩٣].

﴿ولو ترى إذ المجرمون ناكسوا رؤسهم عند ربهم﴾ [السجدة ١٢].

قوله (واستغفار الرسول ﷺ أمر متعذر لأنه إذا مات انقطع عمله إلا من ثلاث. ا. هـ

قلت : استغفار سيدنا رسول الله ﷺ غير متعذر لأمور

الأول : قد صح أن النبي ﷺ قال : «الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون». أخرجه البيهقي في حياة الأنبياء (ص١٥)، وأبو يعلى في مسنده (٦/١٤٧)، وأبو نعيم في أخبار أصبهان وغيرهم.

وقال الهيثمي في المجمع (٨/٢١١) : ورجال أبي يعلى ثقات والحديث له طرق.

وقال رسول الله ﷺ : «مررت على موسى وهو قائم يصلي في قبره» أخرجه مسلم (٤/١٨٤٥) وأحمد (٣/١٢٠) والبغوى في شرح السنة (١٣/٣٥١) وغيرهم.

وقال ابن القيم في نونيته عند الكلام على حياة الرسل بعد مماتهم (النونية مع شرح ابن عيسى ٢/١٦٠).

والرسل اكمل حاله منه(١) بلا   شك وهذا ظاهر التبيان
فلذلك كانوا بالحياة أحق من   شهدائنا بالعقل والبرهان
وبأن عقد نكاحه لم ينفسخ   فنساؤه في عصمة وصيان
ولأجل هذا لم يحل لغيره   منهن واحدة مدى الأزمان
افليس في هذا دليل أنه   حي لمن كانت له أذنان

الثاني : ثبت أن النبي ﷺ قد صلى إماماً بالأنبياء عليهم السلام في الإسراء وهذا متواتر، وكانوا قد ماتوا جميعا، وراجعه موسى عليه السلام في الصلوات ورأى غيره في السموات.

فمن كان هذا حاله فكيف يتعذر عليه الاستغفار.؟

والصلاة دعاء واستغفار وتضرع.

الثالث : قد صح أن النبي ﷺ قال «حياتى خير لكم تحدثون

ويحدث لكم، ووفاتي خير لكم تعرض عليَّ أعمالكم فما رأيت من خير حمدت الله عليه، وما رأيت من شر استغفرت لكم.

وهو حديث صحيح وقال عنه الحافظ العراقي في طرح التثريب (٣/٢٩٧) : إسناده جيد. وقال الهيثمي (المجمع ٩/٢٤) رواه البزار ورجاله رجال الصحيح وصححه السيوطي في الخصائص (٢/٢٨١).

وكلام العراقي والهيثمي بالنسبة لإسناد البزار فقط، وإلا فالحديث صحيح كما قال الحافظ السيوطي وغيره وقد توسعت بالكلام عليه في «رفع المنارة لتخريج أحاديث التوسل والزيارة».

الرابع : استغفار الرسول ﷺ حاصل لجميع المؤمنين سواء من أدرك حياته أو لم يدركها قال الله تعالى «واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات» وهذه منة من الله تعالى، وخصوصية من خصوصيات سيدنا رسول الله ﷺ.

وقد علم مما سبق أن الأمور الثلاثة المذكورة في الآية وهي :

١ ـ المجيء إليه ﷺ.

٢ ـ والاستغفار.

٣ ـ واستغفار الرسول ﷺ للمؤمنين حاصل في حياته وبعد انتقاله.

ولا يقال : إن الآية وردت في أقوام معينين لا يقال ذلك لأنه كما هو معروف «العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب».

ولذلك فهم المفسرون وغيرهم من الآية العموم واستحبوا لمن جاء إلى القبر الشريف أن يقرأ هذه الآية ﴿ولو أنهم إذ ظلموا

أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً﴾ ويستغفر الله تعالى.

وهذه التفاسير بين أيدينا والمناسك التي صنفها علماء المذاهب كذلك وهي تظهر صدق دعوى الاستدلال بالآية.

ولماذا نذهب بعيداً فهذا العلامة أبو محمد ابن قدامة الحنبلي صاحب المغنى، الذي يقول فيه ابن تيمية : ما دخل الشام بعد الأوزاعي أفقه من ابن قدامة.

قال شيخ الحنابلة أبو محمد ابن قدامة في المغنى (٣٠/ ٥٩٠) في صفة زيارة المصطفى ﷺ.

ثم تأتي القبر فتولي ظهرك القبلة وتستقبل وسطه وتقول:

السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام عليك يا نبي الله وخيرته من خلقه، أشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، أشهد أنك بلغت رسالات ربك، ونصحت لامتك، ودعوت إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة، وعبدت الله حتى أتاك اليقين، فصل الله عليك كثيراً كما يحب ربنا ويرضى، اللهم اجزه عنا نبينا أفضل ما جزيت احداً من النبيين والمرسلين، وابعثه المقام المحمود الذي وعدته يغبطه به الأولون والآخرون، اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وآل إبراهيم إنك حميد مجيد، اللهم إنك قلت: وقولك الحق ﴿ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً﴾ وقد اتيتك مستغفرا من ذنوبي، مستشفعاً بك إلى ربي فاسألك يا رب أن توجب لي المغفرة كما أوجبتها لمن أتاه في حياته، اللهم اجعله أول

الشافعين، وأنجح السائلين، وأكرم الآخرين والأولين، برحمتك يا أرحم الراحمين. ثم يدعو لوالديه ولإخوانه وللمسلمين أجمعين. ثم يتقدم قليلا ويقول: السلام عليك يا أبا بكر الصديق السلام عليك يا عمر الفاروق، السلام عليكما يا صاحبي رسول الله ﷺ وضجيعيه ووزيريه ورحمة الله وبركاته، اللهم اجزهما عن نبيهما وعن الإسلام خيراً، سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار، اللهم لا تجعله آخر العهد من قبر نبيك ﷺ ومن حرم مسجدك يا أرحم الراحمين. انتهى كلام ابن قدامة رحمه الله تعالى.

بقى الكلام على قول العثيمين: لأنه إذا مات انقطع عمله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم إلا من ثلاث..... الخ.

قلت : سيدنا رسول صلى الله عليه وآله وسلم له من الكمالات والخصوصيات ما لم يصح لأحد وهذا قررة ابن تيمية في كتابه (الصارم المسلول على شاتم الرسول) وهو أحسن كتبه وهو ﷺ في ترق وارتفاع إلى يوم الدين.

فقد قال ﷺ: «من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من اتبعه لا ينقص ذلك من أجورهم شيئا».

فجميع الأعمال الصالحة التي تصدر عن الأمة المحمدية راجعة لدعوة رسول الله ﷺ لهم فثوابها راجع إليه وهو ينتفع به قطعاً من غير أن ينقص ذلك من أجورهم شيئاً.

وفي هذا الصواب قال ابن تيمية في الفتاوي (١/١٩١) : ثبت عنه ﷺ في الصحيح انه قال: من دعا إلى هدي كان له من الأجر مثل أجور من اتبعه من غير أن ينقص من أجورهم شيء».

ومحمد ﷺ هو الداعي إلى ما تفعله أمته من الخيرات، فما يفعلونه له فيه من الأجر مثل أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شيء. انتهى كلام ابن تيمية.

ثانياً : الدليل من السنة.

وهو ينقسم إلى قسمين :

الأول : الأحاديث الدالة على مطلق الأمر بزيارة القبور وجاءت في ذلك أحاديث متعددة بلغت حد التواتر كما في نظم المتناثر في الحديث المتواتر (ص٨٠ ـ ٨١).

ومن ألفاظ الحديث «إني كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها فإنها تذكركم الآخرة.

أخرجه مسلم (٢/٦٧٢)، وأحمد في المسند (٥/٣٥٥) والطحاوي (٤/٢٨) عن بريدة بن الحصيب.

ومن ألفاظه ما أخرجه النسائي في سننه (٤/٧٣) من حديث بريدة أيضا : قال: قال رسول الله ﷺ: «فمن أراد أن يزور القبور فليزر ولا تقولوا هجراً».

وهذا الحديث عام، لأن الفعل في سياق الشرط يفيد العموم فالزيارة مطلوبة بسفر وبدون سفر، ولا تجد مخصصاً لهذا الحديث في عرف الشرع ولو استظهر المخالف بالثقلين فلن يجد هذا المخصص.

ثم إن لفظ «الزيارة» يلزم منه الانتقال من مكان لآخر فالشارع يحض على الانتقال من مكان لآخر من أجل زيارة القبور.

فإن قيل قد قال ابن تيمية في الرد على الأخنائي (ص٧٧). قوله «فزوروا القبور» فالأمر بمطلق الزيارة أو استحبابها أو اباحتها لا يستلزم السفر إلى ذلك لا استحبابه ولا اباحته. ا. هـ.

قلت :الحديث عام لا يخصصه شيء، وقد تقرر: أن الأمر اذا ثبت ثبتت لوازمه.

فإذا تعلقت الزيارة بانتقال سفر فلا يوجد ما يمنع من هذا السفر.

ثم المرجع عند الاختلاف هو الشرع قال الله تعالى: ﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا﴾ [النساء ٥٩]. وقد سمى الشارع السفر زيارة، وهو نص لا يحتمل التأويل.

فقد أخرج مسلم في صحيحه (٤/١٩٨٨).«أن رجلاً زار أخاً له في قرية أخرى، فأرصد الله على مدرجته ملكاً، فلما أتى عليه قال : أين تريد ؟ قال : أريد أخاً لي في تلك القرية قال : هل لك عليه من نعمة تربها ؟ قال : لا إلا إني أحببته في الله. فقال : إني رسول الله إليك، فإن الله أحبك كما أحببته».

فالشارع قد سمى السفر وهو الانتقال من قرية لأخرى زيارة فلفظ الزيارة يحتمل السفر وعدمه.

وعليه فقصر لفظ الزيارة على أحد نوعيها وهو الزيارة التي بدون سفر تحكم في النص ومخالفة لأصول الشرع والله أعلم.

فائدة :

قال الحافظ أبو زرعة العراقي في طرح التثريب (٦/٤٣) :

وكان والدي (أي الحافظ الكبير ولي الله العراقي) رحمه الله تعالى يحكي أنه كان معادلاً للشيخ زين الدين عبدالرحيم بن رجب الحنبلي في التوجه إلى بلد الخليل عليه السلام، فلما دنا من البلد قال: نويت الصلاة في مسجد الخليل ليحترز عن شد الرحل لزيارته على طريقة شيخ الحنابلة ابن تيمية قال: فقلت: نويت زيارة قبر الخليل عليه السلام ثم قلت له: أما أنت فقد خالفت النبي ﷺ لأنه قال: «لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد وقد شددت الرحل إلى مسجد رابع، وأما أنا فاتبعت النبي ﷺ لأنه قال: «زوروا القبور». أفقال إلا قبور الأنبياء؟ قال: فبهت. ا.هـ. ١

والعراقي الكبير كان حافظاً فقيهاً أصولياً فرحمة الله على الجميع.

الثاني: الأحاديث الدالة على زيارة قبره ﷺ بخصوصه.

ومن هذه الأحاديث ما صححه أو حسنه الأئمة كابن السكن وعبدالحق الأشبيلي والتقي السبكي والسيوطي، وإلى الحسن تكاد تصرح عبارة الذهبي التي نقلها عنه وأقرها السخاوي في المقاصد الحسنة (ص٤١٢).

وقد أكرمني الله تعالى بالكلام على أحاديث الزيارة في (رفع المنارة لتخريج إحاديث التوسل والزيارة) فالحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، وها هي بعض الأحاديث مع الكلام عليها بألخص عبارة.

١ ـ حديث من زار قبري وجبت له شفاعتي.

أخرجه الدارقطني (٢/٢٧٨)، والدولابي في الكنى والأسماء (٢/٦٤)، والبيهقي في شعب الإيمان (٣/١٧٠)، والخطيب في

تلخيص المتشابه (١/٥٨١)، والعقيلي (٤/١٧٠)، وابن عدي (٦/٢٣٥٠) وغيرهم.

جميعهم من طرق عن موسى بن هلال العبدي عن عبيد الله بن عمر وعبد الله بن عمر كلاهما عن نافع عن ابن عمر به مرفوعاً.

وهذا الإسناد حسن سواء قال موسى بن هلال عن عبيد الله او عبدالله.

وموسى بن هلال فصلت الكلام عليه في رفع المنارة.

ويكفي في هذا المختصر قول ابن عدي في الكامل (٦/٢٣٥٠) أرجو أنه لا بأس به، وقد حكم عليه غيره بالجهاله ولا تصح ومن عرف حجة على من لم يعرف. فهو من شيوخ الإمام أحمد وشيوخه ثقات غالباً.

وخلاصة ما في الرجل هو قول الحافظ الذهبي في الميزان (٤/٢٢٦): هو صالح الحديث.

ثم الحديث ثابت عن موسى بن هلال عن عبيد الله (وهو ثقة حافظ). وعبدالله بن عمر (حسن الحديث) ومحاولة جعله عن عبدالله بن عمر العمري فقط كما رأى ابن عبدالهادي في الصارم المنكي خطأ.

وهذا الألباني وهو ممن يشايع ابن عبدالهادي يعترف بإثبات موسى بن هلال للروايتين كذا في إروائه (٤/٣٣٧).

هب أن موسى بن هلال العبدي لا يروي إلا عن عبدالله بن عمر العمري فلا ضير في ذلك.

وعبدالله بن عمر العمري حسن الحديث، وخلاصة ما فيه هو قول الذهبي في المغنى (١/٣٤٨) : صدوق حسن الحديث. ا.هـ

واقتصر على عبارات التوثيق الواردة فيه في كتابيه الكاشف (٢/٩٩)، والديوان (ص١١٢).

وقال الحافظ السخاوي في التحفة اللطيفة (٣/٢٦٦) : كان صالحاً عالما صالح الحديث.

وذكره الذهبي في جزء من تكلم فيه وهو موثق (ص١١٢).

وإذا كان الرجل حسن الحديث فهو أقوى في نافع ـ وهو يروى عنه هنا ـ قال عثمان بن سعيد الدارمي : قلت لابن معين : كيف حاله (أي العمري) في نافع ؟ قال : صالح ثقة. (الكامل ١٤٥٩/٤).

والحاصل مما سبق أن الحديث حسن جيد الإسناد والله أعلم.

٢ ـ من صلى عليَّ عند قبري سمعته ومن صلى علي نائياً أبلغته.

أخرجه أبو الشيخ الأصبهاني في الثواب (كما في القول البديع ص١٥٤، واللآلىء ١/٢٨٣).

قال أبو الشيخ : حدثنا عبدالرحمن بن أحمد الأعرج، حدثنا الحسن بن الصباح، حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة به مرفوعا.

قلت : رجال الإسناد رجال الصحيح ما خلا شيخ أبي الشيخ الأصبهاني وقد ترجمه أبو الشيخ في طبقات المحدثين (٣/٥٤١).

وأبو نعيم في أخبار أصبهان (٢/١١٣) ولم يذكرا فيه جرحاً أو تعديلا.

وقد روى عنه جماعة منهم أبو الشيخ الأصبهانى الحافظ.

فغاية ما في الرجل أنه مستور، وهو على شرط ابن حبان.

ومثل هذا الصنف يقبل الجمهور حديثهم ما لم يخالف أو يأت بمتن منكر.

قال الحافظ الذهبي في الميزان (٣/٤٢٦) : وفي رواة الصحيحين عدد كثير ما علمنا أن أحداً نص على توثيقهم. والجمهور على أن من كان من المشايخ قد روى عنه جماعة ولم يأت بما ينكر عليه أن حديثه صحيح ا. هـ.

وقال الذهبي في الميزان أيضا (٢/٩٢) : شيخ مستور ما وثق ولا ضعف فهو جائز الحديث. ا. هـ.

والحاصل أن الحديث إسناده قوي وقد قال عنه الحافظ ابن حجر وسنده جيد كما في القول البديع (ص١٥٤) وأقره تلميذه الحافظ السخاوي.

وله طريق آخر فيه محمد بن مروان السدي الصغير المتروك واقتصر على الأخير ابن تيمية فحكم على الحديث بالوضع كما في الرد على الأخنائي (ص١٢٤) وكان لابد أن يقلده ابن عبدالهادي في الصارم المنكي.

وتقدم أن الصواب لم يحالفهما.

٣ ـ ما أخرجه الحاكم في المستدرك (٢/٥٩٥) من طريق

محمد بن اسحاق عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن عطاء مولى أم حبيبة قال سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: ليهبطن عيسى بن مريم حكماً عدلاً وإماما مقسطاً، وليسلكن فجاً حاجاً أو معتمراً أو بنيتهما، وليأتين قبري حتى يسلم علي ولأردن عليه.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه بهذه السياقه وسلمه الذهبي.

وللحديث أوجه أخر ورجح هذا الوجه أبو زرعة في العلل رقم ٢٧٤٧ ولا يضر هنا عدم تصريح محمد بن اسحاق بالسماع.

٤ ـ من زارني في مماتي كان كمن زارني في حياتي ومن زارني حتى ينتهي إلى قبري كنت له شهيداً يوم القيامة.

أخرجه العقيلي في الضعفاء (٣/٤٥٧). وأعل هذا الحديث بفضالة بن سعيد بن زميل المأربي وشيخه محمد بن يحيى بن قيس المأربي.

أما أولهما: فقال عنه العقيلي: حديثه غير معروف ولا يعرف إلا به.

وثانيهما: محمد بن يحيى بن قيس المأربي وثقه الدارقطني في سؤالات البرقاني (٤٦٤)، وابن حبان (٩/٤٥) وأسرف فيه ابن عدي في الكامل (٦/٢٢٣٩)، ولم يعتمد الذهبي كلام ابن عدى فقال في الكاشف (٣/٩٥): وثق.

فهذا الإسناد ضعيف بسبب فضالة بن سعيد المأربي وأشار العقيلي إلى أن هذا الإسناد لين، واللين هو أقل الضعف.

وهناك أحاديث أخرى في الزيارة ذكرتها في رفع المنارة.

وللحافظ صلاح الدين بن كيكلدي العلائي الشافعي رحمه الله تعالى جزء في الكلام على أحاديث الزيارة.

ثالثاً: الإجماع:

قال القاضي عياض في «الشفا بتعريف حقوق المصطفى» (٢/٧٤): زيارة قبره ﷺ سنة من سنن المسلمين مجمع عليها، وفضيلة مرغب فيها. ا. هـ.

وقال في موضع آخر (٣/٧٥) نقلاً عن ابن عبدالبر:

الزيارة مباحة بين الناس وواجب شد المطي إلى قبره ﷺ. ا.هـ.

وصرح بالإجماع التقي السبكي، وممن حكى إجماع المسلمين على الاستحباب الإمام النووي رحمه الله تعالى.

وقال الشوكاني في نيل الأوطار (٥/١١٠):

واحتج أيضاً من قال بالمشروعية بأنه لم يزل دأب المسلمين القاصدين للحج في جميع الأزمان على تباين الديار واختلاف المذاهب الوصول إلى المدينة المشرفة لقصد زيارته، ويعدون ذلك من أفضل الإجماعات فكان إجماعاً.

وقال المحقق أبو الحسنات اللكنوي في «إبراز الغي الواقع في شفاء العي»:

وأما نفس زيارة القبر النبوي فلم يذهب أحد من الأئمة وعلماء الملة إلى عصر ابن تيمية إلى عدم شرعيتها بل اتفقوا على أنها من أفضل العبادات، وأرفع الطاعات، واختلفوا في ندبها

المجاز، وهو ما استظهره الإمام أبو اسحاق الشيرازي في اللمع (ص٢٣٠ مع شرح الشيخ يحيى أمان رحمه الله تعالى).

وصفوة القول أن المستثنى لابد أن يكون من جنس المستثنى منه ومن خالف جعله من باب المجاز، فرجع خلافهم إلى وفاق والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات.

إذا علم ذلك فتقدير المستثنى منه في الحديث يكون كالآتي : لا تشد الرحال إلى [مسجد] إلا إلى ثلاثة [مساجد].

ورواية شهر بن حوشب في تعيين المستثنى منه مشهورة ونصها [لا ينبغي للمطي أن يشد رحاله إلى مسجد يبتغى فيه الصلاة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدي هذا].

وقد أخرجها أحمد في المسند (٣/ ٦٤، ٩٣)، وأبو يعلى في مسنده (٢/ ٤٨٩) وقال الحافظ في الفتح (٣/ ٦٥) : وشهر حسن الحديث وإن كان فيه بعض الضعف. ا.هـ.

وذكره الحافظ الذهبي في جزء من تكلم فيه وهو موثق (ص١٠٠) فهو ممن يحسن حديثه عند الذهبي.

فهذان حافظان جبلان قد اتفقا على تحسين حديث شهر بن حوشب فلا تنظر بعد لتشغيب من يشاغب.

وقد تتابع على تقدير المستثنى منه بالمسجد شراح الحديث كالكرمانى (٧/ ١٢)، والبدر العيني (٦/ ٢٧٦)، والحافظ في فتح الباري (٣/ ٦٦).

الوجه الثاني :

قال التقي السبكي ما ملخصه (شفاء السقام ص١٢١) :

السفر فيه أمران باعث عليه كطلب العلم وزيارة الوالدين وما أشبه ذلك وهو مشروع بالاتفاق.

الثانى : المكان الذي هو نهاية السفر كالسفر إلى مكة أو المدينة أو بيت المقدس ويشمله الحديث.

والمسافر لزيارة النبي ﷺ لم يدخل في الحديث لأنه لم يسافر لتعظيم البقعة، وإنما سافر لزيارة من فيها فإنه لمْ يدخل في الحديث قطعاً، وإنما يدخل في النوع الأول فتدبر.

الوجه الثالث :

أن النهي في الحديث ليس على التحريم، وأن هذه المساجد اختصت بمزيد فضل لأنها مساجد الأنبياء.

فهل من نذر شد الرحل لغيرها يلزمه الوفاء أم لا ؟

قال الخطابي في معالم السنن هذا : «أي حديث لا تشد الرحال.....». في النذر ينذر الإنسان أن يصلى في بعض المساجد فإن شاء وفى به، وإن شاء صلى في غيره إلا أن يكون النذر في واحد من هذه المساجد فإن الوفاء يلزمه بما نذره فيها. ا.هـ من معالم السنن (٢/ ٤٤٣).

وهو ما استظهره ابن بطال والنووي في شرح مسلم (٩/ ١٠٦)، وقال به إمام الحنابلة أبو محمد ابن قدامة في المغنى (٢/ ١٠٣ ـ ١٠٤)

ويؤيد أن النهي الوارد في الحديث ليس للتحريم الآتي:

١ ـ ما جاء بإسناد صحيح رجاله رجال مسلم أن رسول الله ﷺ قال: خير ما رُكبت إليه الرواحل... الحديث. أخرجه أحمد (٣/٣٣٦)، والبزار (كشف الأستار ٢/٤) والطحاوي في مشكل الآثار (١/٢٤١).

٢ ـ روى عمر بن شبه في أخبار المدينة (١/٤٢) بإسناد رجاله ثقات عن سعد بن أبي وقاص قال: لو يعلمون ما في قباء لضربوا إليه أكباد الإبل.

وقال الحافظ في الفتح: إسناده صحيح (٣/٦٩).

وروى ابن أبي شيبه في المصنف (٢/٣٧٣)، وعبدالرزاق في المصنف (٥/١٣٢) وعمر بن شبه في أخبار المدينة (١/٤٩) عن عمر بن الخطاب أنه قال: لو كان مسجد قباء في أفق من الآفاق لضربنا إليه أكباد المطي. وإسناده حسن.

٣ ـ روى أحمد في المسند (٦/٣٩٧) من حديث مرثد بن عبدالله اليزنى عن أبي بصرة الغفاري قال: لقيت أبا هريرة وهو يسير إلى مسجد الطور ليصلي فيه قال: فقلت له: لو أدركتك قبل أن ترتحل ما ارتحلت قال: فقال: ولِمَ؟ قال: فقلت: إني سمعت رسول ﷺ يقول: لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدي.

فأبو هريرة لقى أبا بصرة رضي الله عنهما وكان أبو هريرة يسير إلى مسجد الطور ولما أعلمه أبو بصرة بنص الحديث لم يرجع أبو هريرة، ولو كان أبو هريرة قد فهم من الحديث التحريم لرجع ولكنه لم يفعل، بل ولم يخرج أصلاً لأنه من رواة حديث لا تشد الرحال.

فخروجه ثم عدم رجوعه، دل ذلك على أن النهي الذي في الحديث لا يفيد التحريم عند أبي هريرة رضي الله عنه.

فأي حجة وأي برهان وأي دليل يطلب بعد فهم الصحابة.

الدعاء عند القبر الشريف

الدعاء عند القبر الشريف سنة ماضية بين السلف والخلف.

قال أبو بكر بن أبي شيبة في المصنف (٤/٥٥٧) قال زيد بن الحباب قال حدثني أبو مودودة قال: حدثني يزيد بن عبدالملك بن قسيط قال: رأيت نفراً من أصحاب النبي ﷺ إذا خلا لهم المسجد قاموا إلى رمانة المنبر فمسحوها ودعوا، قال ورأيت يزيد يفعل ذلك.

وروى أن أنس بن مالك رضي الله عنه كان يرفع يديه عند القبر كذا في الشفا (نسيم الرياض ٣/٥١٧).

وقال القاضي عياض، قال مالك في رواية ابن وهب: إذا سلم على النبي ﷺ ودعا يقف ووجه إلى القبر لا إلى القبلة. (نسيم الرياض ٣/٥١٧).

وفي رؤوس المسائل للإمام النووي: ذكر الحافظ أبو موسى الأصفهاني مثل ذلك عن مالك.

وقال ابن حبيب من المالكية المتقدمين بمثل ذلك.

وفي الشريعة للآجرى قال ابراهيم الحربي في مناسكه: تولى

ظهرك القبلة وتستقبل وسطه يعني القبر وذكر الدعاء والسلام وابراهيم الحربي من أئمة السلف صاحب تصانيف وفنون وتوفي سنة ٢٨٥ رحمه الله تعالى.

ودونك كتب المناسك وأبواب الحج في كتب الفقه تجدهم يذكرون الدعاء عند الزيارة.

قال سلطان العلماء عز الدين بن عبدالسلام السلمي: (وإذا أردت صلاة فلا تجعلن حجرته وراء ظهرك ولا بين يديك وتأدب معه بعد وفاته أدبك معه في حياته لو أدركتها، فإن لم تفعل فانصرافك خير من مقامك. انتهى كلام العز رحمه الله تعالى.

ونصَّ على استقبال القبر الشريف عند الدعاء من الحنابلة أيضاً أبو الوفاء ابن عقيل صاحب كتاب الفنون، وأبو محمد ابن قدامة في المغنى (٣/ ٥٩٠). وهو في كتب الحنابلة المتداولة. الإيضاح ص٥١٩)

وقال التقي السبكي في شفاء السقام (ص١٥٣) : مقتضى الكلام أكثر العلماء من الشافعية والمالكية والحنابلة الاستقبال عند السلام والدعاء. ا. هـ. ونحوه للشهاب الخفاجي في شرح الشفا ٣/ ٥١٧.

وذكر الإمام أحمد بن حنبل الدعاء عند القبر الشريف فقال: وسل الله حاجتك متوسلاً إليه بنبيه ﷺ تقض من الله عز وجل. كذا في الرد على الأخنائي لابن تيمية ص١٦٨.

وذكر ابن تيمية الدعاء عند القبر الشريف عن جماعة عدَّ منهم جماعة من الصحابة ومالك وأحمد وأبو حنيفة وأنس بن مالك وذكر ابن تيمية في الكتاب المذكور (ص١٦٨ ـ ١٦٩) الدعاء عن جماعة آخرين من السلف.

وقال أبو بكر الأثرم : قلت لأحمد بن حنبل : قبر النبي ﷺ يمس ويتمسح به ؟

فقال : ما أعرف هذا.

قلت له : فالمنبر ؟

قال : أما المنبر فنعم قد جاء فيه ـ قال أبو عبدالله ـ شيء يرونه عن ابن أبي فديك عن ابن أبي ذئب عن ابن عمر أنه كان يمسح على المنبر، وقال : ويرونه عن سعيد بن المسيب في الرمانة قلت : ويرونه عن يحيى بن سعيد أنه حيث أراد الخروج إلى العراق جاء إلى المنبر فمسحه ودعا فرأيته استحسنه، ثم قال : لعله عند الضرورة والشيء.(١)

قيل لأبي عبدالله : إنهم يلصقون بطونهم بجدار القبر، وقلت له : أرأيت أهل العلم من أهل المدينة لا يرونه ويقومون ناحية ويسلمون عليه.

فقال أبوعبدالله : نعم، وهكذا كان ابن عمر يفعل ثم قال أبو عبدالله : بأبي وأمي صلى الله عليه وعلى آله وسلم تسليما كثيراً. انتهى من الرد على الأخنائي ص١٦٩.

فـــائدة :

وفي معجم الشيوخ للحافظ الذهبي (١/ ٧٣ ـ ٧٤) ما نصه:

عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر: «أنه كان يكره مس قبر النبي ﷺ».

قلت: كره ذلك لانه رآه إساءة أدب.

وقد سئل أحمد بن حنبل عن مس القبر النبوي وتقبيله فلم

يرَ بذلك إساءة أدب. وقد سئل أحمد ابن حنبل عن مس القبر النبوي وتقبيله فلم ير بذلك بأساً، رواه عنه ولده عبدالله بن أحمد. فإن قيل: فهلا فعل ذلك الصحابة قيل: لانهم عاينوه حياً وتملوا به وقبلوا يده وكادوا يقتتلون على وضوئه واقتسموا شعره المطهر يوم الحج الأكبر، وكان إذا تنخم لا تكاد نخامته تقع إلا في يد رجل فيدلك بها وجهه.

ونحن فلما لم يصح لنا مثل هذا النصيب الأوفر ترامينا على قبره بالإلتزام والتبجيل والإستلام والتقبيل.

ألا ترى كيف فعل ثابت البناني، كان يقبل يد أنس بن مالك ويضعها على وجهه ويقول: يد مست يد رسول الله ﷺ.

وهذه الأمور لا يحركها من المسلم إلا فرط حبه للنبي ﷺ، إذ هو مامور بأن يحب الله ورسوله أشد من حبه لنفسه وولده والناس اجمعين، ومن أمواله ومن الجنة وحورها، بل خلق من المؤمنين يحبون ابا بكر وعمر اكثر من حب أنفسهم.

حكى لنا جندار أنه كان بجبل البقاع فسمع رجلاً سبَّ أبا بكر فسل سيفه وضرب عنقه، ولو كان سمعه يسبه أو يسب اباه لما استباح دمه.

الا ترى الصحابة في فرط حبهم للنبي ﷺ قالوا: الا نسجد لك؟ فقال: لا، فلو أذن لهم لسجدوا له سجود إجلال وتوقير لا سجود عبادة كما قد سجد إخوة يوسف ـ عليه السلام ـ ليوسف.

وكذلك القول في سجود المسلم لقبر النبي ﷺ على سبيل التعظيم والتبجيل لا يكفر به أصلاً بل يكون عاصياً فليعرف أن هذا منهى عنه، وكذلك الصلاة إلى القبر. انتهى كلام الذهبي.

واذا علم تضافر النقول عن السلف والخلف في الدعاء عند القبر الشريف، فأي قول تراه مخالفاً لهم فاضرب به عرض الحائط واعلم أن قائله مخالف ولابد، نسأل الله السلامة والعافيه.

من هؤلاء صالح الفوزان فإنه عَدَّ (بتعالله) من الاخطاء العظيمة الدعاء عند القبر الشريف.

ولم يكتف بهذه المخالفة للسلف الصالح، فعدها (عظيمه) ثم زاد فقال في منسك له (ص٥٢):

وإن كان الداعي لا يدعو إلا الله، لأن ذلك بدعة ووسيلة إلى الشرك، ولم يكن السلف يدعون عند قبر النبي ﷺ إذا سلموا عليه. اهـ.

قلت: لو سكت مثل هذا لكان أحسن، فكم تثير أمثال هذه الكتيبات من فتن وتدفع الناس للبدع وسب السلف الصالح ومخالفة الائمة الفقهاء ورمي المسلمين بالعظائم.

ويرى هذا الفوزان وأمثاله أن من تمام ورعهم السعي قدر الطاقة لمنع المسلمين من الذهاب للزيارة، فتارة يقولون: لا تعلق بين الحج والزيارة أو أن الزيارة ليست واجبة.

وسبيل أهل العلم هو الحث على الزيارة وبيان أنها من أفضل المندوبات وآكد الطاعات وقد اختلفوا فيها ما بين الوجوب والندب فقط.

ويكفي الزائر أنه يقف بين يدي رسول الله ﷺ وهو حي في قبره يسمع سلامه ويرد عليه، ولقبره من الخصوصيات ما ليس لغيره من القبور.

وقد صح أن السيدة عائشة رضي الله عنها استسقت به كما في سنن الدارمي (١/٤٣).

وقال الدارمي (١/٤٤) في سننه في باب ما أكرم الله به نبيه بعد موته أخبرنا مروان بن محمد عن سعيد بن عبدالعزيز قال: لما كان أيام الحرة، ولم يؤذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثاً ولم يقم، ولم يبرح سعيد بن المسيب من المسجد، وكان لا يعرف وقت الصلاة إلا بهمهمة يسمعها من قبر النبي ﷺ فذكر معناه.

وقال ابن تيمية في اقتضاء الصراط المستقيم (ص٣٧٣): سعيد بن المسيب كان يسمع الأذان من القبر ليالي الحرة. اهـ.

ومروان بن محمد ثقة.

وسعيد بن عبدالعزيز ثقة إمام، وإن كان قد اختلط في قول بعضهم، لكن كان يعرض عليه قبل أن يموت فيقول: لا أجيزها كذا في سؤالات الدوري (٢/٢٠٤).

فهذا يدل على تصونه وتركه التحديث بعد اختلاطه، فحديثه صحيح واحتج به مسلم في صحيحه.

وقد تقول الفوزان على السلف بقوله: ولم يكن السلف يدعون عند قبر النبي ﷺ.

ثم إنه مريض بالبدعة والشرك والوسيلة إلى الشرك وما أشبه ذلك فسمى هذا الدعاء «وإن كان الداعي لايدعوا إلا الله» بدعة ووسيلة إلى الشرك. فيكون الفوزان قد رمى سلف وخلف الأمة بالعظائم وأبان على أنه خارج عنهم منابذ لهم.

وقد دعا النبي ﷺ فقال: اللهم لا تجعل قبري وثناً يعبد.

ودعاء الرسول ﷺ مقبول بلا ريب، فقبره الشريف محفوظ من العبادة والشرك. والأمة تدعو عند قبره الشريف طبقة بعد طبقة على اختلاف المذاهب والبلاد.

نعوذ بالله من البدعة وأسبابها والمبتدعة وأوهامهم.

والحمد لله في البدء والختام وصلى الله وسلم وبارك على خير الأنام وعلى آله وأصحابه مصابيح الظلام.

وكتب: محمود سعيد ممدوح

غفر الله له

الهوامش:

(١) كذا في الرد على الأخنائي ص ١٦٩ ولعل الصواب عند الضرر والسفر. والله أعلم بالصواب.

(٢) أي الشهيد.

الفهــرس

الصِّلاتُ والبُشَرُ في الصّلاةِ على خيرِ البَشَر

تأليف

الإمام شيخ الإسلام مجد الدين محمد بن يعقوب
الفيروزأبادي (صاحب القاموس) المتوفى سنة ٨١٧ هـ

حققه وعلق عليه

محمد نور الدين عدنان الجزائري

عبد القادر الخياري

محمد مطيع الحافظ

حبیبِ خدا کے مقام و منصب اور شمائل کے بیان پر
عظیم علمی خزانہ

ذخائرِ محمدیہ

ترجمہ

مفتی محمد خان قادری | ڈاکٹر غلام شبیر قادری

عالمی دعوتِ اسلامیہ
۱۴۔ غوث الاعظم روڈ لاہور

عالمی دعوت اسلامیہ کے نائب امیر

مفتی محمد خان قادری کی تصانیف

۱۔ شاہکارِ ربوبیت

۲۔ درِ رسول کی حاضری

۳۔ امتیازاتِ مصطفٰے

۴۔ ایمانِ والدینِ مصطفٰی

۵۔ شرحِ سلامِ رضا

۶۔ حضور علیہ السلام کا سفرِ حج

۷۔ ذخائرِ محمدیہ

۸۔ محفلِ میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ

۹ فضائلِ نعلینِ رسول

۱۰۔ معارف الاحکام

۱۱۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم

۱۲۔ 〃 〃 جلد ششم

۱۳۔ 〃 〃 جلد ہفتم

۱۴۔ صحابہ کی وصیتیں

۱۵۔ شبِ قدر اور اسکی فضیلت

۱۶۔ عورت کی امامت کا مسئلہ

۱۷۔ نورِ خدا حلیمہ کی گود میں

۱۸۔ منہاجُ النحو

۱۹۔ منہاجُ المنطق

۲۰۔ اسلام میں چھٹی کا تصور

۲۱ نماز میں خشوع وخضوع حاصل کرنے کا طریقہ!

۲۲۔ صحابہ اور محافلِ نعت